برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش
محمد اسحٰق بھٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔
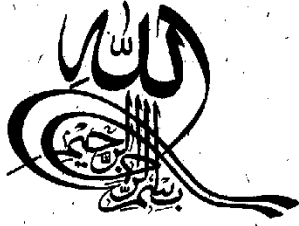
برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش

برِصغیر میں اسلام کے اوّلین نقوش

پاک و ہند میں صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ

محمد اسحٰق بھٹی

المکتبۃ السلفیۃ لاہور

اِدارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲۔ کلب روڈ، لاہور

طبع اوّل	۱۹۹۰ء
تعداد	۱۱۰۰
ناشر	سراج منیر ناظم ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ - کلب روڈ، لاہور
مطبع	امپرس پرنٹ شاپ، لاہور
قیمت	۲۰/- روپے

www.KitaboSunnat.com
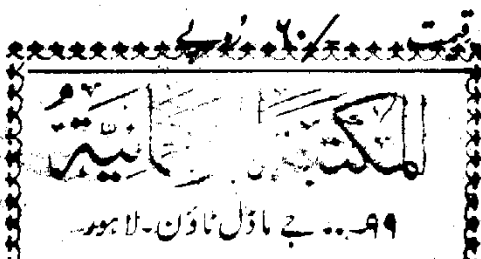
انتساب

www.KitaboSunnat.com

والدِ مرحوم

میاں عبدالمجید کے نام

جنھوں نے ۱۸۔ ستمبر ۱۹۸۸ء کو
تقریباً نوّے برس کی عمر میں وفات پائی

محمد اسحاق بھٹی

فہرست مضامین

مقدمہ	۱۵
عرب ہند تعلقات کی وجہ	۱۵
عرب میں برصغیر کی قومیں	۱۶
زُطّ (جاٹ)	۱۶
مید	۲۲
سیابجہ (یا سیابجہ)	۲۳
احامرہ	۲۵
اساورہ	۲۵
بیاسرہ	۲۷
ٹھاکر	۲۷
برصغیر اور عربوں کی تجارت	۲۸
دعوتِ اسلام	۳۱
روایات میں ہند کا ذکر	۳۲
ایک ہندی حکمران کا تحفہ	۳۳
غزوہ ہند کے بارے میں احادیث	۳۳
سرندیپ کا وفد	۳۵
خولہ سندیہ حنفیہ	۳۷
مسلمانوں کے خلاف پہلی جنگ	۳۸
برّصغیر پر عرب مسلمانوں کے حملوں کا آغاز	۳۹
برّصغیر میں پچیس صحابہ کرام	۴۱

قبیلہ بنو ثقیف اور برّصغیر	۴۴
ایک خیال — ایک اندازہ	۴۵
برّصغیر میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۴۶
کچھ اس کتاب کے بارے میں	۴۷
صحابہ کرام	۴۹
حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں	۵۱
۱۔ عثمان بن ابو العاص ثقفی	۵۲
۲۔ حکمؓ بن ابو العاص ثقفی	۵۴
۳۔ مُغیرہ بن ابو العاص ثقفی	۵۶
۴۔ رُبیّعؓ بن زیاد حارثی مذحجی	۵۷
۵۔ حکمؓ بن عمرو تغلبی غفاری	۵۸
۶۔ عبداللہ بن عبداللہ انصاری	۶۰
۷۔ سہل بن عدی خزرجی انصاری	۶۱
۸۔ شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی	۶۱
۹۔ صحار بن عباس عبدی	۶۲
۱۰۔ عاصم بن عمرو تمیمی	۶۳
۱۱۔ عبداللہ بن عُمیرؓ اشجعی	۶۴
۱۲۔ نسیر بن وسیم بن ثور عجلی	۶۴
حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں	۶۶
۱۳۔ حُکیم بن جبلہ عبدی	۶۷
۱۴۔ عبیداللہ بن مَعمرؓ تیمی	۶۸
۱۵۔ عُمیرؓ بن عثمان بن سعد	۶۹
۱۶۔ مُجاشعؓ بن مسعود سَلمیؓ	۷۰

۱۷۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ قرشی ۷۲

حضرت علی کے عہدِ خلافت میں ۷۴

۱۸۔ خرّیت بن راشد ناجی ۷۵

۱۹۔ عبداللہ بن سُوَید تمیمی ۷۶

۲۰۔ کُلَیب الووائل ۷۷

حضرت معاویہ کے عہدِ حکومت میں ۷۸

۲۱۔ مُہَلَّب بن ابوصفرہ ازدی عتکی ۷۸

۲۲۔ عبداللہ بن سوّار عبدی ۷۹

۲۳۔ یاسر بن سوّار عبدی ۸۰

۲۴۔ سنان بن سَلَمہ ہُذَلی ۸۱

یزید کے زمانۂ حکومت میں ۸۴

۲۵۔ مُنذِر بن الجارود عبدی ۸۴

تابعین ۸۷

۱۔ ابن اُسَید بن اخنس ۹۰

۲۔ ابو شیبہ جوہری ۹۱

۳۔ تاغر بن دعر ۹۲

۴۔ حاتم بن قبیصہ ۹۳

۵۔ حَکَم بن مُنذِر عبدی ۹۴

۶۔ راشد بن عمرو الجدیدی ازدی ۹۴

۷۔ زائدہ بن عمیر طائی کوفی ۹۵

۸۔ زیاد بن حواری عمی ۹۶

۹۔ ابو قیس زیاد بن رباح قیسی بصری ۹۷

۱۰۔ حَکَم بن عوانہ کلبی ۹۸

۱۱۔ معاویہ بن قُرّہ مُزَنی بصری	۱۰۰
۱۲۔ مکحول بن عبداللہ سندھی	۱۰۲
۱۳۔ عبدالرحمٰن بن عباس	۱۰۴
۱۴۔ عبدالرحمٰن سندھی	۱۰۵
۱۵۔ قُطَن بن مُدْرِک کلاَبی	۱۰۵
۱۶۔ قیس بن ثعلبہ	۱۰۶
۱۷۔ کہمس بن حسن قیسی بصری	۱۰۷
۱۸۔ یزید بن ابوکبشہ سکسکی دمشقی	۱۰۸
۱۹۔ موسیٰ سیلانی	۱۱۰
۲۰۔ موسیٰ بن یعقوب ثَقَفی	۱۱۱
۲۱۔ عبدالرحمٰن کندی	۱۱۳
۲۲۔ عبدالرحمٰن بیلمانی	۱۱۴
۲۳۔ عمر بن عبیداللہ قرشی تیمی	۱۱۵
۲۴۔ شمر بن عطیہ اسدی	۱۱۶
۲۵۔ سعید بن اسلم کلابی	۱۱۷
۲۶۔ سعید بن کِشْدِیر قُشَیْری	۱۱۸
۲۷۔ سعد بن ہشام انصاری	۱۱۹
۲۸۔ حباب بن فضالہ ذُہَلی	۱۲۰
۲۹۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ	۱۲۲
۳۰۔ حارث بن مُرّہ عبدی	۱۲۳
۳۱۔ حارث بیلمانی	۱۲۴
۳۲۔ ایوب بن زید ہلالی	۱۲۴
۳۳۔ حری بن حری باہلی	۱۲۶

۳۴۔ عبّاد بن زیاد اُموی ۱۲۷
۳۵۔ یزید بن مفرغ حمیری ۱۲۸
۳۶۔ رُبَیْعٌ بن صبیح سُعْدی بصری ۱۲۹
۳۷۔ مجاعہ بن سعر تمیمی ۱۳۱
۳۸۔ عطیہ بن سعد عوفی ۱۳۲
۳۹۔ حسن بصری ۱۳۳
۴۰۔ صیفی بن فسیل شیبانی ۱۳۵
۴۱۔ ابو سالمہ زطی ۱۳۶
۴۲۔ محمد بن قاسم ۱۳۷
چند غلط فہمیوں کا ازالہ ۱۳۸
محمد بن قاسم کے حملے کا پس منظر ۱۴۰
علافیوں کی بغاوت اور داہر کی مدد ۱۴۰
عبدالرحمٰن بن محمد کی بغاوت میں غیر مسلم حکمرانوں کی مدد ۱۴۱
راجا داہر کے آدمیوں کا کشتیوں پر حملہ ۱۴۱
اسلامی حکومت کی وسعتِ حدود ۱۴۳
سندھ پر حملے کی اجازت ۱۴۵
بَرّی اور بحری فوج ۱۴۵
اسلامی فوج کا دیبل پر حملہ اور اس کی فتح ۱۴۷
دیبل کا محلِّ وقوع ۱۵۰
نیرون (حیدرآباد) کی طرف پیش قدمی ۱۵۱
نیرون سے آگے کو روانگی ۱۵۲
مسلمان فوج کے ساتھ غیر مسلم فوج ۱۵۳
راجا داہر سے جنگ اور اس کا قتل ۱۵۳

الور یا اَرُوڑ کی طرف پیش قدمی	۱۵۷
برہمن آباد کی تسخیر	۱۵۸
بعض اور شہروں کی طرف پیش قدمی	۱۵۹
راجا پرچج سے لڑائی اور اس کا قتل	۱۶۰
پنجاب کا عزم اور ملتان کی فتح	۱۶۰
اب تک کا خرچ اور آمدنی	۱۶۲
حجاج بن یوسف کا انتقال	۱۶۳
بھیلمان اور سورٹھ پر چڑھائی	۱۶۳
کھیڑا کی جنگ اور فتح	۱۶۴
محمد بن قاسم کی گرفتاری اور موت	۱۶۵
سندھ میں محمد بن قاسم کا اثر	۱۶۸
گرفتاری کا ہمہ گیر افسوس ۔	۱۶۹
ابتری اور بدنظمی	۱۷۰
محمد بن قاسم کے نام حجاج بن یوسف کے چند خطوط	۱۷۱
پہلا خط	۱۷۲
دوسرا خط	۱۷۳
تیسرا خط	۱۷۴
چوتھا خط	۱۷۶
پانچواں خط	۱۸۰
چھٹا خط	۱۸۱
ساتواں خط	۱۸۵
آٹھواں خط	۱۸۸
نواں خط	۱۸۹

دسواں خط	۱۹۱
گیارھواں خط	۱۹۲
بارھواں خط	۱۹۳
تبع تابعین	۱۹۵
۱۔ اسرائیل بن موسیٰ بصری	۱۹۷
۲۔ کرز بن ابو کرز عبدی	۱۹۹
۳۔ معلیٰ بن راشد بصری	۲۰۲
۴۔ جنید بن عمرو العدوانی المکیؒ	۲۰۵
۵۔ محمد بن زید عبدی	۲۰۵
۶۔ محمد بن عزان کلبی	۲۰۶
۷۔ ابو عُیَیْنہ ازدی	۲۰۷
۸۔ سندی بن شماس السمان بصری	۲۰۸
۹۔ عبدالرحیم دیبلی سندھی	۲۰۸
۱۰۔ عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی	۲۱۰
۱۱۔ عبدالرحمٰن بن السندی	۲۱۲
۱۲۔ عمرو بن عُبید بن باب السندی	۲۱۲
۱۳۔ فتح بن عبداللہ سندھی	۲۱۳
۱۴۔ قیس بن بسر بن سندی بصری	۲۱۴
۱۵۔ ابو مَعْشَر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی	۲۱۵
۱۶۔ محمد بن ابراہیم بیلمانی	۲۱۶
۱۷۔ محمد بن حارث بیلمانی	۲۱۷
۱۸۔ یزید بن عبداللہ قرشی سندھی	۲۱۸
مآخذ و مصادر	۲۲۱

مقدّمہ

اس خطۂ ارض کا، جسے عربی اور فارسی کی قدیم کتبِ تاریخ میں "ہند" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور آزادی کے بعد جسے برصغیر پاک و ہند کہا جانے لگا ہے، ملک عرب اور باشندگانِ عرب سے بہت پرانا تعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خلعتِ نبوت سے سرفراز کر کے دنیا میں مبعوث کیا گیا، اس وقت عرب کے مختلف حصوں میں رومی بھی آباد تھے، ایرانی بھی موجود تھے، حبشی بھی فروکش تھے اور ہندی بھی مقیم تھے۔ ان سطور میں ہمارا مقصد صرف عرب اور ہند سے متعلق چند باتوں کی وضاحت کرنا ہے، اس لیے اپنی گزارشات یہیں تک محدود رکھیں گے۔

عرب ہند تعلقات کی وجہ

برصغیر پاک و ہند کے لوگ پہلے پہل عربوں سے کس طرح متعارف ہوئے اور عربوں نے ان سے کب اور کیوں کر تعلقات استوار کرنا شروع کیے، اس کی ایک خاص وجہ اور خاص پس منظر ہے ـــــ زمانۂ قدیم میں ایران کو ایک مضبوط اور مستحکم طاقت کی حیثیت حاصل تھی اور عرب کے چند علاقوں پر اس کا قبضہ تھا۔ دوسری طرف موجودہ سندھ اور بلوچستان کے علاقائی حکمران ایرانی حکومت کے زیر اثر تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ بہت سے ہندی باشندے ایران کی فوج میں شامل ہو گئے تھے اور انھوں نے عرب کے ان علاقوں میں سکونت اختیار کر لی تھی جو ایران کے اثر و اقتدار میں تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ہندوستان کی بعض مصنوعات عرب کے شہروں اور قصبوں میں لے جاتے اور فروخت کرتے تھے۔ اس طرح دونوں

خطوں یعنی برصغیر اور عرب کے درمیان روابط اور تجارت کی ایک ایسی صورت پیدا ہوگئی تھی جو آہستہ آہستہ بڑھتی اور ترقی کرتی گئی۔

عرب میں برصغیر کی قومیں

عرب کے متعدد مقامات میں برصغیر کے کئی گروہ آباد تھے جو مختلف خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ نہایت اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ مندرجہ ذیل سطور میں کیا جاتا ہے۔

زُطّ (جاٹ)

زُطّ — یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنے "جاٹ" یا "جٹ" کے ہیں۔ یہ برصغیر کی وہ قوم اور اس نواح کا وہ گروہ ہے جس کے بہت سے افراد قدیم دور سے عرب میں آباد تھے۔ یہ لوگ درحقیقت پنجاب اور سندھ اور بعض مورخین کے نزدیک بلوچستان میں بھی موجود تھے۔ لسان العرب میں ان کے بارے میں مرقوم ہے۔

الزط جیل اسود من السند وقیل الزط اعراب جت بالھندیہ و ھو جیل من اھل الھند وھم جنس من السودان والھنود [1]

یعنی زط سندھ کے سیاہ رنگ کے لوگ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زُط ہندی لفظ جٹ کا معرّب ہے، اور یہ لوگ اہلِ ہند میں سے ہیں، جن کے رنگ سیاہی مائل ہیں اور ہندوستانیوں کی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنی اپنی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

وھم جنس من السودان (السنود) والھنود [2]

زط سیاہ رنگ کے سندھیوں اور ہندیوں کی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔

ابوالفدا نے تقویم البلدان میں اس گروہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ہمارے

---

[1] لسان العرب ج ۷ ص ۳۰۸، زط۔

[2] مجمع بحار الانوار ج ۲ ص ۶۲

ہاں بلوچیوں کو بھی جاٹ کہا جاتا ہے کہ ان کی زبان اہلِ ہند کی زبان سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

واما البلوص المذکورون فیقال لھم فی زماننا الجت وھم طائفة تقرب لغتھم من الھندیه[۳]

ان بلوچیوں کو (جن کا ذکر پہلے ہو چکا) ہمارے زمانے میں جٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ وہ گروہ ہے جس کی زبان ہندی زبان سے ملتی جلتی ہے۔

عہدِ قدیم میں جو جاٹ عرب کے بعض علاقوں میں سکونت پذیر تھے، مورخین کے نزدیک وہ اصلاً ملتان، بلوچستان، دیبل، مکران اور سندھ وغیرہ علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب کا بہت پرانا جغرافیہ نویس ایک شخص ابن خرداذبہ ہے۔ اس کی تحقیق کے مطابق مکران اور سندھ میں منصورہ کے درمیان جو علاقہ کئی سو میل میں پھیلا ہوا ہے، وہ تمام تر جاٹوں کا علاقہ ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

من اوّل مکران الی المنصورة ثلاث مائة وثمانیة وخمسون فرسخاً والطریق فی بلاد الزط وھم حفاظ الطریق[۴]

مکران کے آغازِ سرحد سے لے کر منصورہ تک تین سو اٹھاون فرسخ کی طویل مسافت ہے اور یہ تمام راستہ جاٹوں کی آبادیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ یہ لوگ اس راستے کے محافظ اور نگہبان ہیں۔

بعض پرانے جغرافیہ دانوں نے سندھ کے شہر منصورہ سے ملتان تک کے علاقے کو جاٹوں کا علاقہ قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نواح میں یہی لوگ آباد ہیں۔

---

[۳] تقویم البلدان ص ۳۴۵

[۴] المسالک والممالک ص ۵۶

و بلد السند ھو المنصورۃ و اراضی الزط وما والاھا الی الملتان[۵]

یعنی سندھ کے شہر منصورہ سے ملتان تک اور اس کے گرد و نواح

کی تمام آبادیاں جاٹوں پر مشتمل ہیں۔

سوال یہ ہے کہ برصغیر کے یہ جاٹ یا زطّ عرب میں کیسے گئے۔؟ اور پھر عرب کے کن علاقوں میں جا کر اقامت گزیں ہوئے۔؟ اس سوال کا جواب ہندوستان کے مشہور محقق قاضی اطہر مبارک پوری مندرجہ ذیل الفاظ میں دیتے ہیں۔

"ہندوستان کے جاٹ عرب میں مختلف طریقوں سے پہنچے تھے۔ ان میں کچھ تو ابلہ (بصرہ) سے عمان اور بحرین تک کے ساحلی علاقے میں آباد ہو کر مویشی، بھیڑ، بکری، اونٹ وغیرہ پالتے تھے اور کچھ مستقل طور سے ساحلی شہروں اور دیہاتوں میں آباد ہو گئے تھے، اور ان کی اکثریت شاہانِ ایران کی فوج اور سپاہ بن کر ایران اور عرب میں رہتی تھی۔ اس کا مرکز عراق میں ابلہ اور جنوب میں یمن تھا۔ چنانچہ ایران میں قدیم زمانے سے جاٹوں کے بڑے بڑے شہر اور بارونق بستیاں تھیں، جو فارس سے عراق تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سوق اہواز سے فارس کی طرف جانے والی شہراہ پر تقریباً ساٹھ میل پر جاٹوں کا بہت بڑا شہر تھا، جسے ان کے نام ہی پر "زط" کہا جاتا تھا[۶]

کتبِ تاریخ و جغرافیہ سے واضح ہوتا ہے کہ جاٹ برصغیر سے ایران گئے اور وہاں کے مختلف بلاد و قصبات میں آباد ہوئے، اور پھر ایران سے عرب پہنچے اور عرب کے کئی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی۔

تاریخ اس کی بھی وضاحت کرتی ہے کہ کابل کے علاقے میں بھی جاٹ آباد تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندانی تعلق کابل کے انہی جاٹوں سے تھا۔

---

۵ المسالک والممالک ص ۳۵

۶ عرب و ہند عہدِ رسالت میں ص ۶۳، ۶۴

بلاذری نے فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ ہندوستان کی بعض قوموں یعنی زط، اساورہ اور سیابجہ وغیرہ کا تعلق ایران کی فوج میں ان قیدیوں سے تھا جو اہلِ ایران کے نزدیک سندھیوں میں شمار ہوتے تھے اور انہی کا سا مقام و مرتبہ انھیں حاصل تھا۔ یہ وہ قیدی تھے جو باقاعدہ فوج میں شامل تھے اور محاذِ جنگ پر جاتے تھے۔ یہ لوگ اسلام قبول کر کے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس بصرے گئے تو انھوں نے ان کو وہیں آباد کر لیا۔[۵۷]

بلاذری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان لوگوں نے خلیج عرب کے سواحل میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا تھا اور مویشیوں کے لیے چارے کی تلاش میں وہاں گھومتے رہتے تھے۔

بحرین کا علاقہ بھی جاٹوں کا مرکز تھا۔ وہاں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے سے آباد تھے۔ آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بالکل ابتدائی دورِ خلافت (۱۱ ہجری) میں جب بحرین اور اس کے اطراف و اکناف میں فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا اور حضرت خالد بن ولید اور دیگر صحابہ کرام اس کو ختم کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں اترے تو برصغیر کے ان جاٹوں اور سیابجہ نے مرتدین کی حمایت میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ ان لوگوں کے پاس جو قطیف، ہجر اور خط میں آباد تھے، مرتدین کا ایک سرغنہ حطم بن ضبیعہ پہنچا تھا اور اسی نے ان کو مسلمانوں کے مقابلے میں آمادۂ جنگ کیا تھا۔ اس ضمن میں طبری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

حتّٰی نزل القطیف و ھجر واستغوی الخط ومن فیھا من الزط و السیابجة[۵۸]

وہ (حطم بن ضبیعہ) قطیف اور ہجر گیا اور خط کی تمام آبادی اور

---

[۵۷] فتوح البلدان ص ۳۶۸

[۵۸] تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۵۶

وہاں جو جاٹ اور سیابجہ آباد تھے، ان سب کو گمراہ کرکے اپنی فوج میں شامل کر لیا۔

پھر جب اسلامی لشکر کے مقابلے میں مرتدین کو شکست ہوئی تو یہ لوگ وہاں سے بھاگ کر اپنے اپنے قبیلوں اور علاقوں میں چلے گئے۔ ایک روایت کے مطابق ان میں سے بعض لوگ بصرہ چلے گئے اور وہاں حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر حضرت ابو موسیٰ نے بصرہ اور اس کے قرب و جوار میں ان کو آباد کر دیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت خود مکہ مکرمہ میں جاٹ موجود تھے اور لوگ ان کے لباس اور ہیئت کذائی وغیرہ سے اچھی طرح واقف تھے۔ جامع ترمذی کے ابواب الامثال میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن عشا کی نماز کے بعد بطحائے مکہ میں لے گئے۔ وہاں انھوں نے کچھ لوگوں کو دیکھا، جن کی شکل و شباہت جاٹوں کی سی تھی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فبینا انا جالس تاتی رجال کانھم الزط اشعادھم واجسامھم لا ادی عودۃ ولا ادی قشرا [۹]

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں، میں اس دائرے میں بیٹھا تھا جو میرے اردگرد کھینچا ہوا تھا کہ کچھ لوگ میرے قریب آئے۔ وہ اپنے بالوں اور جسموں کے اعتبار سے جاٹوں کی مانند تھے، مجھے نہ ان کا ستر نظر آیا اور نہ چمڑا۔!

اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی بہت عرصے سے کچھ جاٹ موجود تھے، جن میں سے ایک جاٹ جو اسلام قبول کر چکا تھا، معالج اور طبیب تھا۔ اس نے

---

۹ جامع ترمذی۔ جلد ثانی۔ ابواب الامثال

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بتایا تھا کہ ان کی کنیز نے ان پر جادو کر دیا ہے۔[۱۰]

معراج کے سلسلے کی ایک حدیث میں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جسمانی اعتبار سے جاٹوں کے مشابہ قرار دیا ہے۔ آنحضرت فرماتے ہیں۔

واما موسیٰ فادم جسیم کانہ من رجال الزط۔[۱۱]

حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے خوش قامت تھے، گویا وہ جاٹوں میں سے تھے۔

۱۰ ہجری میں نجران سے بنو حارث بن کعب کے مسلمانوں کا وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

من ھٰولاء القوم کانھم رجال الھند۔[۱۲]

یہ کون لوگ ہیں جو ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں۔

برصغیر کے ان جاٹوں کے حالات جو عرب میں آباد ہو گئے تھے، کتب تاریخ میں تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ کس دور میں ان کی سرگرمیاں کس نوعیت کی رہیں اور ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ یہاں ہم نے نہایت اختصار سے صرف اس لیے ان کا ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ برصغیر اور عربوں کے تعلقات بہت قدیم سے ہیں اور ان ملکوں کے لوگ اسلام سے قبل کسی نہ کسی صورت میں ایک دوسرے سے متعارف تھے۔

---

[۱۰] الادب المفرد، امام بخاری

[۱۱] صحیح بخاری جلد اوّل، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا۔

[۱۲] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۶

مید

برصغیر کا ایک اور گروہ جو زمانۂ قدیم سے عرب میں موجود تھا، عربوں کی عام بولی میں "مید" کے نام سے موسوم تھا۔ زط یعنی جاٹوں کی طرح یہ لوگ بھی ایرانیوں کے ذریعے سے عرب کے مختلف علاقوں اور شہروں میں گئے تھے۔ سب سے پہلے یہ ایران کی فوج میں بھرتی ہو کر برصغیر سے ایران پہنچے اور پھر وہاں سے عرب کے شہروں میں گئے۔ عرب ان کو "مید" اس لیے کہتے تھے کہ یہ بحری قزاق اور ڈاکو تھے جو عربوں کے جہاز اور کشتیاں لوٹ لیتے اور ان کے تجارتی کاروبار کو جو سمندری راستے سے ہوتا تھا، نقصان پہنچاتے تھے۔

عرب کے قدیم جغرافیہ نویس ابن خرداذبہ کی تحقیق کے مطابق یہ لوگ دریائے سندھ سے لے کر دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقے بھی ان کی تگ و تاز کی زد میں تھے۔ یہ بدھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔

والکفار فی حدود بلاد السند انما ھم البدۃ وقوم یعرفون بالمید[۱۳]

بلادِ سندھ میں جو کافر فروکش ہیں، وہ بدھ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جنھیں مید کہا جاتا ہے۔

ابن خرداذبہ اس سے آگے لکھتا ہے کہ مید دریائے سندھ کے کناروں سے لے کر ملتان تک کے علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اور اس نواح میں ان کی بہت سی چراگاہیں اور آبادیاں ہیں[۱۴]

مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے معلومات سے پتا چلتا ہے کہ سندھ، گجرات کاٹھیاواڑ، علاقہ ملتان اور راجستان میں اس گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ اچھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ ساحلی علاقوں میں لوٹ مار کرنا اور سمندروں اور دریاؤں میں ڈاکے ڈالنا ان کا کام تھا۔ یہی مید یعنی سمندری لیٹرے تھے، جنھوں نے پہلی

۱۳؎ المسالک والممالک ص ۱۶۷

۱۴؎ ایضاً

صدی ہجری کے آخر میں اس جہاز کو لوٹا تھا جو سرندیپ سے آ رہا تھا اور جس میں مسلمان عورتیں اور بچے سوار تھے۔ سرندیپ کے راجا نے ان کو عزت و احترام کے ساتھ اموی خلیفہ کے پاس بھیجنا چاہا تھا۔ فتوح البلدان میں مرقوم ہے۔

فعرض للسفينة التي كن فيها، قوم من ميد الديبل في بوارج[۱۵]

جس جہاز میں یہ عورتیں سوار تھیں، اس کو دیبل کے مید کی ایک جماعت نے کشتیوں پر سوار ہو کر گھیر لیا۔

طویل عرصے تک برصغیر کے یہ سمندری قزاق ساحلی علاقوں میں آباد رہے اور دہشت پھیلاتے رہے۔ تیسری صدی ہجری میں دولتِ ماہانیہ سنجان کے حکمرانوں نے ان کو ختم کیا اور یمن کی حدود سے لے کر کاٹھیاواڑ تک کے ساحلوں کو ان کے وجود سے پاک کر دیا۔

برصغیر کا یہ وہ گروہ تھا، جس سے عرب متعارف تھے اور جس کی عرب علاقوں میں آمد و رفت تھی۔

سیابجہ (یا سبابجہ)

جاٹوں اور مید کے علاوہ برصغیر کا ایک اور گروہ جو قدیم دور سے عرب میں آباد تھا اور جس کی عادات و اطوار سے وہاں کے لوگ آشنا تھے، اسے سیابجہ (یا سبابجہ) کہا جاتا تھا۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں اور ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں اس گروہ کو سیابجہ (یا کے ساتھ) لکھا ہے۔ لیکن ابن فقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں، ابنِ درید نے جمہرۃ اللغۃ میں اور ابنِ منظور افریقی نے لسان العرب میں سبابجہ (با کے ساتھ) تحریر کیا ہے۔

قاضی اطہر مبارک پوری لکھتے ہیں:۔

سبیجہ کے معنی سیاہ کمبل کے اور تسبیج کے معنی سیاہ کمبل بننے کے ہیں۔ ہمارا

---

[۱۵] فتوح البلدان ص ۴۲۳

خیال ہے اگر لفظ سبابجہ، سبیجی یا سابج کی جمع ہے تو اسی سے مشتق ہے، کیوں کہ یہ لوگ عرب میں جا کر کشتیوں اور جہازوں کی بحری ڈاکوؤں سے حفاظت کا پیشہ کرتے تھے، اور ضرورت کے وقت ان سے جنگ کرتے تھے۔ بعد میں جیل خانے وغیرہ کے محافظ بھی ہوا کرتے تھے، اس لیے یہ لوگ سردی، پانی اور موج وغیرہ سے بچنے کے لیے عام طور سے سیاہ کمبل استعمال کرتے، اس سے دشمنوں کے مقابلے کی صورت میں جسم کی حفاظت بھی ہوتی تھی۔"[۱۶]

لسان العرب میں سبابجہ کے متعلق بتایا گیا ہے۔

والسبابجۃ قوم ذو وجد من السند والھند یکونون مع رئیس السفینۃ البحریۃ یبذرقونھا[۱۷]

سبابجہ سندھ اور ہند کے وہ طاقتور اور بہادر لوگ ہیں جو سمندری کشتی کے مالک کے ساتھ رہتے اور سمندری لیٹروں کے حملوں سے اس کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

تاریخ و جغرافیہ اور لغت کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ سبابجہ سندھ اور ہند کے مضبوط جسم و جان کے مالک اور قوی ہیکل لوگ تھے، جو بحری سفر میں مسافروں کے جان و مال کی حفاظت کرتے تھے، اور یہ کام انھوں نے بطور پیشے کے اختیار کر رکھا تھا۔ مید گروہ سے تعلق رکھنے والے لوگ سمندری مسافروں کو لوٹتے اور سبابجہ سمندر میں سفر کرنے والوں کا تحفظ کرتے تھے اور جہاز کے مالکوں سے اس کا معاوضہ لیتے تھے۔

السبابجۃ قوم من السند یستاجرون لیقاتلوا فیکونون کالمبذرقۃ۔

یعنی سبابجہ ایک سندھی قوم ہے، جن کو بحری ڈاکوؤں کے مقابلے

---

[۱۶] عرب و ہند عہد رسالت میں ص ۷۹، ۸۰۔

[۱۷] لسان العرب ج ۲ ص ۲۹۴

کے لیے اجرت پر جہازوں اور کشتیوں کی حفاظت کے لیے رکھا جاتا ہے
اور وہ محافظ اور نگران کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے ہیں ۔
ڈاکوؤں سے یہ باقاعدہ لڑائی بھی کرتے تھے ۔

لسان العرب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب بصرہ آباد ہوا تو سندھ و ہند کے سبابجہ کو وہاں جیل اور خزانے کی حفاظت کے لیے رکھا گیا تھا ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ برصغیر کے یہ لوگ جنھیں عرب سبابجہ کہتے تھے ، عہدِ رسالت سے بہت پہلے سے بحرین اور عرب کے ساحلی علاقوں میں موجود تھے ۔ اُبلہ کا مقام بھی جہاں بعد میں بصرہ آباد ہوا ، ان کے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا ۔ یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے زمانے میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے بصرے میں سکونت اختیار کر لی تھی ۔

احامرہ

برصغیر کا ایک اور گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بہت پہلے سے عرب میں آباد تھا ، جسے عرب اپنی زبان میں حمرا ، حُمر ، احامر یا احامرہ کہتے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ پُرانے احامرہ سندھ کے رہنے والے تھے ۔ حمر کے معنے سُرخ رنگ کے ہیں ۔ منقول ہے کہ اُنھیں اس لیے احامر یا احامرہ کہا جاتا تھا کہ وہ سرخ لباس پہنتے تھے ۔

اساورہ

برصغیر کے جن لوگوں نے عرب میں جاکر سکونت اختیار کر لی تھی ، ان میں ایک گروہ " اساورہ " کے نام سے موسوم تھا ۔ قاضی اطہر مبارک پوری نے اساورہ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے ، اس سے پتا چلتا ہے کہ عرب میں جو غیر ملکی لوگ آباد تھے ، ان میں اساورہ کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور ان کے شان و شکوہ اور غلبہ و اقتدار کا یہ عالم تھا کہ عراق سے لے کر یمن تک کے پورے ساحلی عرب کی سیاست و

حکومت پر ان کا قبضہ تھا، شاہانِ ایران کے نام سے اس علاقے پر یہی لوگ حکومت کرتے تھے ۔ ان کو ایران کی شاہی فوج کی حیثیت حاصل تھی اور عرب و ایران کے ایرانی مقبوضات کا اصل محافظ یہی طبقہ تھا ۔ یہ اپنے آپ کو اس درجے بلند و بالا سمجھتے تھے کہ زط، سیابجہ اور احامرہ وغیرہ پرانی ہندی قوموں کی طرح عربوں سے میل جول نہیں رکھتے تھے، بلکہ ایرانی شہنشاہیت کے نمائندہ ہونے کی بنا پر حاکمانہ غرور کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ایرانی علاقے فتح ہوئے تو اساورہ کی گردن جُھکی اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا، عرب قبائل کے ساتھ مل کر رہنے لگے اور مسلمانوں کی معیت میں کافروں سے جنگ و جہاد میں بھی شرکت کی ۔[۱۸]

قاضی اطہر مبارک پوری کا خیال ہے کہ اساور یا اساورہ دونوں لفظِ "اسوار" کی جمع ہیں اور "اسوار" سنسکرت کے دو لفظوں سے مرکب ہے، "اشو" سے اور "وار" سے ۔! "اشو" کے معنی ہیں گھوڑا، اور "وار" کہتے ہیں بلند و بالا کو، یعنی گھڑ سوار ۔! یہ لوگ ایرانی فوج میں چونکہ بہت اچھے گھڑ سوار، بہت اچھے نیزہ باز، بڑے جنگجو اور بہادر فوجی تھے اور شہسواری میں ان کا کوئی مقابلہ نہ کر سکتا تھا، اس لیے اساور یا اساورہ کہلائے ۔

عراق کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام "ابلہ" تھا اور یہ وہی شہر تھا جہاں ۱۴ ہجری کو حضرت عمر فاروق کے عہدِ خلافت میں بصرہ آباد ہوا ۔ اس شہر میں اساورہ کثیر تعداد میں آباد تھے ۔

اساورہ برصغیر کی وہ قوم تھی، جس کو عرب میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور یہ لوگ وہاں ٹھاٹھ سے رہتے تھے ۔ فتوح البلدان، لسان العرب، تاریخ طبری، کامل ابن اثیر، الاصابہ اور الاستیعاب وغیرہ کتابوں میں اچھی خاصی تفصیل

---

[۱۸] عرب و ہند عہدِ رسالت میں ص ۹۱

کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ انھوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا۔

بیاسرہ

برصغیر کی ایک جماعت "بیاسرہ" کے نام سے موسوم تھی، جو عرب میں موجود تھی۔ یہ جماعت سمندری قزاقوں اور ہندوستان کے گروہ مید کے حملوں سے عربوں کے جہازوں اور کشتیوں کی نگرانی و حفاظت کے فرائض سرانجام دیتی تھی۔

والبیاسرة قوم بالسند وقیل جیل من السند یواجرون انفسهم من اهل السفن لحرب عدوهم [19]

بیاسرہ علاقہ سندھ کی ایک قوم کو کہا جاتا تھا۔ ان کے بارے میں منقول ہے کہ یہ سندھ کا ایک ایسا گروہ ہے جو جہازوں کے مالکوں کے ساتھ اجرت پر رہتا تھا، تاکہ ان کے سمندری دشمنوں سے جنگ کرے۔

بعض کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ یہ گروہ سندھ اور ہند دونوں علاقوں سے تعلق رکھتا تھا، جیسے جہاز ران اور کشتی بان، دشمن سے لڑائی کے لیے اجرت پر اپنے پاس رکھتے تھے۔

تھانہ، بھڑوچ، چیمور اور اس نواح کے مختلف مقامات میں جو بحر ہند کے ساحل پر آباد ہیں، ہزاروں کی تعداد میں بیاسرہ سکونت پذیر تھے۔ عربوں سے ان کے اتنے تعلقات تھے کہ ان میں سے بہت سے لوگ اپنی بیٹیوں کی شادیاں عربوں سے کر دیتے تھے۔ اسلام کے بعد بیاسرہ میں متعدد چوٹی کے علما و محدثین پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے اپنے دور میں بے حد علمی خدمات انجام دیں۔

ٹھاکرہ

عربی لغت و تاریخ کی کتابوں میں ٹھاکر کو "تکری" یا "تاکر" کہا گیا ہے۔ اس

---

[19] لسان العرب ج ۴ ص ۵۸

کی جمع "تکاکرہ" ہے۔ یہ ایک مشہور قوم ہے، جس کا تعلق صرف برصغیر پاک و ہند سے ہے۔ جرات و شجاعت اور بہادری میں اس گروہ کو بڑی شہرت حاصل ہے۔ اس کی یہ وہ خصوصیت ہے، جس کا عرب بھی اعتراف کرتے تھے۔ لسان العرب میں اس کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

التکرّی، القائد من قواد السند، والجمع تکاکرہ [۲۰]

کہ تکرّی (یعنی ٹھاکر) سندھ کے جنگی افسروں کو کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع تکاکرہ ہے۔

محمد بن قاسم نے دریائے سندھ عبور کر کے اس علاقے کے حکمران کا تعاقب کیا تو وہ اپنے ٹھاکروں کی فوج لے کر مقابلے کو نکلا اور سخت معرکہ آرائی ہوئی۔

ولقیہٗ محمد والمسلمون، وھو علی فیل وحولہ الفیلۃ ومعہ التکاکرۃ فاقتتلوا قتالاً شدیداً لم یسمع مثلہ [۲۱]

جب سندھ کے راجا سے محمد بن قاسم اور مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوا تو وہ ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے ارد گرد بہت سے ہاتھی تھے۔ ٹھاکروں کی فوج اس کے ساتھ تھی۔ انھوں نے بے مثال بہادری سے جنگ لڑی۔

ٹھاکر عرب کے کسی علاقے میں نہیں پائے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے کے بعد عرب ان سے متعارف ہوئے، کیوں کہ انھوں نے اپنے ملک میں عرب فوج کا مقابلہ بڑی بہادری اور جواں مردی سے کیا تھا۔

برصغیر اور عربوں کی تجارت

برصغیر پاک و ہند سے جیسا کہ عرض کیا گیا عربوں کے تعلقات و روابط بہت پرانے اور قدیم دور سے چلے آرہے تھے اور ان کا دائرہ مراسم بہت وسیع تھا، جس

---

[۲۰] لسان العرب ج ۴ ص ۵۸

[۲۱] فتوح البلدان

یں تجارت کو خاص طور سے اہمیت حاصل تھی۔ سندھ اور ہند کے مختلف علاقوں سے بہت سی چیزیں عرب میں جاتی اور فروخت ہوتی تھیں۔ مثلاً ناریل، لونگ، کالی مرچ، عود، صندل، بید، نباتاتی کپڑے، روئی کے مخملی کپڑے، کُست، زنجبیل، سندھی کپڑے، سندھی مرغی، تلواریں، نیزے (جنھیں عرب میں ہندی تلواریں اور ہندی نیزے کہا جاتا تھا) بانس، ساگوان، چاول، گیہوں، عطر، سُنبل، کُرتے، لُنگیاں، چادریں وغیرہ بے شمار چیزیں یہاں سے جاتی اور عرب کی منڈیوں میں فروخت ہوتی تھیں۔

عرب کی جن منڈیوں میں برصغیر کی یہ چیزیں بھیجی جاتی تھیں، وہ اس دور کی مشہور منڈیاں تھیں، مثلاً اُبلہ، ظفار، صُحار، عدن، جار، دومۃ الجندل، عکاظ، یمن، صنعا غمدان، نجران، مآرب۔

اُبلہ تجارتی اعتبار سے عرب کا مشہور مرکزی مقام تھا۔ قاضی اطہر مبارک پوری نے لکھا ہے کہ جب ۱۴ ہجری میں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے اُبلہ فتح کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس کی مرکزیت کے بارے میں مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کیے تھے۔

امّا بعد فان الله وله الحمد فتح علينا الابلة وهي مرفئ سفن البحر من عمان والبحرين و فارس والهند والصين [۲۲]

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ابلہ کی فتح سے نوازا۔ یہ وہ مقام ہے، جو عمان، بحرین، فارس، ہندوستان اور چین سے آنے والے جہازوں کی بندرگاہ ہے

اسی طرح صحار اور ظفار کو سمندری تجارت کے مراکز کی حیثیت حاصل تھی، جہاں برصغیر کے تاجر آمد و رفت رکھتے تھے۔ اس ضمن میں فخر الاسلام کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

---

[۲۲] عرب و ہند عہدِ رسالت میں ص ۳۰۔

وفی شرقی حضرموت ظفار وھی من قدیم مصدر للتوابل والطیب وبجود المعابد ولایزال الی الیوم یرسل الی الھند۔[۲۳]

حضرموت کے مشرق میں ظفار قدیم دور سے گرم مسالوں اور خوشبوؤں کی منڈی ہے، اب بھی یہاں سے ہندوستان مال بھیجا جاتا ہے۔

عدن کے بارے میں مرقوم ہے کہ یہاں عنبر، عود اور مشک عام دستیاب ہے، اور سندھ، ہندوستان، چین، زنج، حبشہ، فارس، بصرہ، جدہ اور بحرِ قلزم سے آیا ہوا مال اور سامان وہاں ہر وقت مل سکتا ہے۔[۲۴]

زمانۂ قدیم میں یمن کو بھی برصغیر کے تجارتی مال کی بہت بڑی منڈی قرار دیا جاتا تھا۔ اس کا اندازہ فجر الاسلام کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہوتا ہے۔

وکانت التجارۃ قدیما فی ید الیمنیین وکانوا ھم العنصر الظاھر فیھا فعلی یدھم کانت ینقل غلات حضرموت وظفار وواردات الھند الی الشام ومصر۔[۲۵]

پُرانے زمانے میں سلسلۂ تجارت اہلِ یمن کے ہاتھ میں تھا اور انہی لوگوں کو تجارت میں غالب عنصر سمجھا جاتا تھا۔ ان کی وساطت سے حضرموت اور ظفار کے مال اور ہندوستان کی چیزیں شام اور مصر جاتی تھیں۔

مکّہ مکرمہ بھی تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا اور مختلف ملکوں کے تجارتی قافلے اس شہر میں آتے، اپنا مال فروخت کرتے، چند روز وہاں مقیم رہتے اور پھر اگلے سفر پہ روانہ ہو جاتے تھے۔ یہ تجارتی قافلے برصغیر کی مصنوعات بھی فروخت کرتے تھے۔ ایک مصری مؤرخ لکھتا ہے:

۲۳۔ فجر الاسلام ج ۱ ص ۳

۲۴۔ المسالک والممالک ص ۶۱

۲۵۔ فجر الاسلام ج ۱ ص ۱۳

کانت مکۃ محطاً لاصحاب القوافل الآتیۃ من جنوب العرب تحمل بصنائع الھند والیمن الی الشام ومصر ینزلون بھا ویسقون من بئر شھیرۃ بھا تسمی بئر زمزم ویاخذون منھا حاجتھم من الماء[۲۶]

جنوبی عرب سے آنے والے تجارتی قافلوں کی ایک منزل مکہ مکرمہ تھا۔ یہ قافلے ہندوستان اور یمن کا تجارتی سامان شام اور مصر کو لے کر جاتے تھے۔ اثنائے سفر میں یہ لوگ مکہ مکرمہ میں قیام کرتے اور وہاں کے مشہور کنوئیں زمزم سے سیراب ہوتے اور اگلے سفر کے لیے بقدر ضرورت زمزم کا پانی ساتھ لے جاتے تھے۔

مدینہ منورہ میں بھی برصغیر کے مختلف علاقوں اور شہروں کی مصنوعات فروخت ہوتی تھیں جنھیں لوگ بڑے شوق سے خریدتے تھے۔

دعوتِ اسلام

اسلام سے قبل برصغیر کے لوگوں اور عربوں میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں۔ دونوں بت پرست تھے، دونوں پتھر، لکڑی اور مٹی کے بت تراش کر پوجتے تھے، دونوں علاقوں کے رہنے والے بہت سے وساوس واوہام کا شکار تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مختلف علاقوں اور ملکوں کے سرداروں اور حکمرانوں کو دعوتِ اسلام کے لیے خطوط لکھے تو برصغیر کے جو لوگ عرب کے بعض علاقوں میں سکونت پذیر تھے یا تجارت وغیرہ کے سلسلے میں ان سے تعلق رکھتے تھے، ان کو بھی اس کا علم ہوا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دعوتِ اسلام کی اطلاع اہلِ ہند کو ہوئی اور وہ اس دعوت سے ذہنی وفکری اعتبار سے متاثر ہوئے۔

---

[۲۶] عرب وہند عہدِ رسالت میں ص ۳۴ بحوالہ المجمل فی تاریخ الادب العربی ص ۲۷ مطبع امیریہ قاہرہ۔

روایات میں ہند کا ذکر

بعض روایات میں ہندوستان سے متعلق کئی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے سرزمینِ ہند میں اتارے گئے۔ ایک اور روایت میں بتایا گیا ہے کہ پہلے آدم مکہ مکرمہ میں اس جگہ اُتارے گئے جہاں بعد میں بیت اللہ تعمیر کیا گیا، پھر وہاں سے ہندوستان کو روانہ ہوئے۔ ایک روایت منقول ہے کہ آدم کو جب جنت سے ارضِ ہند میں اتارا گیا تو ان کے پاس جنت کی چار شاخیں تھیں، جن سے لوگ خوشبو حاصل کرتے تھے، پھر انھوں نے حج بیت اللہ کیا۔

ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ ہندوستان کے شہر قنوج کا ہندو حکمران راجا سرباتک کہتا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں زیارت کی۔ حضور سب لوگوں سے زیادہ خوب صورت تھے اور آپ میانہ قد کے تھے۔

کچھ روایات رتن ہندی کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں کہ ان کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے آنحضرت سے ملاقات کی اور آپ سے بعض روایات بیان کیں۔ ان روایات کا مجموعہ "رتنیات" کے نام سے مشہور تھا اور خاص قسم کے صوفیا کے حلقے میں اس مجموعے کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ رتن ہندی مشرقی پنجاب کے شہر بھٹنڈہ میں مدفون ہیں اور حاجی رتن کے نام سے معروف ہیں۔ آزادیِ وطن سے قبل میں نے ان کا مدفن دیکھا تھا۔ وہاں بہت سے سکھ، ہندو اور مسلمان آتے اور ان سے مرادیں طلب کرتے تھے۔ ان کا سالانہ عرس بھی ہوتا تھا، جسے بابا رتن کا میلہ کہا جاتا تھا۔

ان تمام روایات کی جو بعض کتابوں میں مذکور ہیں، محدثین نے تردید کی ہے اور انھیں موضوع قرار دیا ہے۔ سید غلام علی آزاد بلگرامی نے مختلف کتابوں سے لے کر اپنی عربی تصنیف "سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان" میں اس قسم کی روایات جمع کر دی ہیں۔ لیکن ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور یہ درجۂ صحت کو نہیں پہنچتیں۔

ایک ہندی حکمران کا تحفہ

ایک روایت میں جو مستدرک حاکم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بتایا گیا ہے کہ ایک ہندوستانی حکمران نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل (سونٹھ) کا تحفہ بھیجا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اھدیٰ ملک الھند الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جرۃ فیھا زنجبیل فاطعم اصحابہ قطعۃ قطعۃ واطعمنی منھا قطعۃ۔

حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں: ہندوستان کے بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زنجبیل (سونٹھ) کا ایک گھڑا تحفے کے طور پر بھیجا۔ آپ نے صحابہ کرام کو اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا، مجھے بھی اس کا ایک ٹکڑا کھلایا۔

اس زمانے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مختلف حکمران تھے، جنھیں راجے مہاراجے بھی کہا جاتا تھا اور بادشاہ بھی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آنحضرت کی خدمتِ اقدس میں سونٹھ کا یہ تحفہ ملک ہند کے کس علاقے کے کس حکمران نے بھیجا تھا۔ بڑے آدمی کو بڑے آدمی کا تحفہ پیش کرنے کا رواج دورِ قدیم سے چلا آرہا ہے اور اسے ایک عام اخلاقی فرض اور قدر سمجھا جاتا ہے، اس لیے عین ممکن ہے، یہ روایت صحیح ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کا واقعہ سن کر کسی علاقے کے ہندوستانی حکمران نے حضور کی خدمت میں سونٹھ کا ہدیہ پیش کیا ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ممکن ہے جواب میں خود حضور نے بھی اس حکمران کو کوئی چیز تحفے میں ارسال فرمائی ہو۔ آنحضرت کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ کی خدمت میں کوئی شخص تحفہ پیش کرتا تو جواب میں آپ بھی اس کو کوئی تحفہ دیتے۔

غزوۂ ہند کے بارے میں احادیث

صحاح کی مشہور کتاب نسائی میں غزوۂ ہند کے بارے میں تین حدیثیں درج ہیں۔ دو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں اور ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے آپ سے روایت کی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی دونوں حدیثیں دو تین الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ ایک ہی مضمون پر مشتمل ہیں۔ ان حدیثوں میں ارضِ ہند میں جہاد کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور مجاہد کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رہنے کی بشارت دی گئی ہے حضرت ابوہریرہ سے جو حدیث روایت ہوئی، اس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی ھریرۃ قال وعدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ الھند فان ادرکتھا انفق فیھا نفسی ومالی، فان اقتل کنت افضل الشھداء وان ارجع فانا ابوھریرۃ المحرر۔[۲۷]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ملکِ ہند میں جہاد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اگر میں اس میں شریک ہو سکا تو اپنی جان اور مال اس میں قربان کروں گا۔ اگر مارا گیا تو بڑی فضیلت والا شہید ہوں گا اور اگر زندہ واپس لوٹا تو میں وہ ابوہریرہ ہوں گا جو دوزخ کی آگ سے آزاد ہو گا۔

اس سلسلے میں جو حدیث حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں۔

عن ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصابتان من امتی احرزھما اللہ من النار، عصابۃ تغزو الھند وعصابۃ تکون مع عیسی بن مریم علیھما السلام۔[۲۸]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا: میری اُمت کے دو گروہوں کو

---

[۲۷] نسائی، کتاب الجہاد، باب غزوۃ الہند۔
[۲۸] ایضاً

اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت عیسیٰ ابن مریم کا ساتھ دے گا۔
غزوۂ ہند کے بارے میں آنحضرت نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اس پر اب تک کئی دفعہ عمل ہو چکا ہے۔ ۱۵ ہجری میں صحابہ کرام نے اس ملک پر حملہ کیا اور طرحِ جہاد ڈالی۔ پھر مختلف اوقات میں متعدد مرتبہ اس خطۂ ارض میں مسلمان حکمرانوں کو جہاد کے مواقع میسر آئے۔

سرندیپ کا وفد

سرندیپ (سیلون) کے اس وفد کا قصہ تاریخ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت کا واقعہ سن کر مدینہ منورہ کو روانہ ہوا تھا۔ عرب تاجروں کے ذریعے، جو برصغیر کے مختلف علاقوں اور سرندیپ میں تجارت کی وجہ سے آمد و رفت رکھتے تھے، سرندیپ کے جوگیوں، سنیاسیوں اور دوسرے مذہبی طبقوں کو پتا چلا کہ عرب کے شہر مکہ مکرمہ میں اللہ کی طرف سے ایک رسول بھیجا گیا ہے جس کو مکے کے لوگوں نے وہاں سے نکال دیا ہے اور وہ مدینہ منورہ چلا گیا ہے۔ اس معاملے کی تحقیق کے لیے انھوں نے مدینے کی طرف ایک وفد روانہ کیا۔

چوتھی صدی ہجری کا ایک مشہور سیاح اور جہاز ران بزرگ بن شہریار تھا، جو عرب سے ہندوستان اور چین تک جہاز رانی کرتا تھا۔ اس نے ایک کتاب "عجائب الہند" کے نام سے لکھی ہے۔ یہ کتاب لیدن میں طبع ہوئی ہے اور بہت سے عجیب و غریب واقعات اس میں درج ہیں۔ سرندیپ کے وفد کا واقعہ بھی اس میں بیان کیا گیا ہے۔ مصنف لکھتا ہے۔

وکان اهل سرندیب وما والاها لما بلغهم خروج النبی صلی اللہ علیه وسلم فارسلوا رجلاً فهماً منهم وامروه ان یسیر الیه فیعرف امره وما یدعو الیه فعاقت الرجل عوائق ووصل الی المدینة

بعد ان قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و توفی ابوبکر، ووجد القائم بالامر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فسألہ عن امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشرح لہ وبیّن [۲۹]

سرندیپ اور اس کے قرب وجوار کے لوگوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت وظہور کا پتا چلا تو انھوں نے اپنے علاقے کے ایک عاقل وفہیم شخص کو مدینہ منورہ بھیجا اور اس سے کہا کہ وہ آنحضرت کی خدمت میں جائے اور آپؐ کے حالات وکوائف اور دعوت کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ لیکن وہ شخص راستے میں کچھ ایسی مشکلات سے دوچار ہوا کہ اس وقت مدینہ منورہ پہنچا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق بھی وفات پا چکے تھے۔ مسندِ خلافت پر حضرت عمر فاروق متمکن تھے۔ وہ حضرت عمرؓ سے ملا اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ حضرت عمر نے وضاحت وتفصیل سے اس کے سامنے تمام باتیں بیان کیں۔

یہ شخص حضرت عمرؓ سے معلومات حاصل کر کے بحری راستے سے سرندیپ کو روانہ ہوا، لیکن مکران کے قریب آیا تو وفات پا گیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک ہندوستانی ملازم تھا، وہ اکیلا سرندیپ پہنچا۔ اس نے لوگوں کو وہ واقعات بتلائے جو اسے معلوم ہوئے تھے۔ اس نے بتایا کہ ان کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دنیائے فانی سے تشریف لے جا چکے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق بھی سفرِ آخرت اختیار کر چکے تھے۔ مسلمانوں کی تمام خلافت حضرت عمر فاروق کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے عربوں کی مہمان نوازی اور حسنِ اخلاق کی بہت

---

[۲۹] عجائب الہند ص ۱۵۷

تعریف کی اور حضرت عمر کے تواضع ، انکسار اور نرمی و رأفت کا حال بیان کیا۔ اس نے بتایا کہ مسلمانوں کا خلیفہ ، جس کی حدودِ مملکت بہت وسیع ہیں ، پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا ہے ، عام لوگوں کے ساتھ رہتا اور انہی کی سی زندگی بسر کرتا ہے ، عوام کا خادم ہے اور بلا تکلف مسجد میں سو جاتا ہے۔

سرندیپ کے لوگوں پر ان باتوں کا نہایت اچھا اثر ہوا ، اس لیے کہ وہ خود سادہ زندگی بسر کرتے اور معمولی لباس پہنتے تھے۔ اس نواح کے جوگی اور سادھو ، جنھوں نے یہ وفد مدینہ منورہ بھیجا تھا ، بدن پر شمشان کی راکھ ملتے اور مُردوں کی کھوپڑی میں کھانا کھاتے اور پانی پیتے تھے۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کے دل میں دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا احساس زندہ رہے اور وہ کوئی ایسا کام نہ کریں ، جس کی وجہ سے ان کے قلب و ذہن میں اس عالمِ فانی سے محبت و تعلق کا جذبہ پیدا ہو۔

اس زمانے میں چونکہ برصغیر اور عرب و چین میں تجارت کی وجہ سے ایک دوسرے ملک کے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا ، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت کی خبر برصغیر کے علاوہ چین میں بھی پہنچ گئی تھی۔

خولہ سندیہ حنفیہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہُ کے عہدِ خلافت میں حضرت خالد بن ولید کے زیرِ کمان یمامہ کے مقام پر مرتدین کے خلاف جو جنگ لڑی گئی ، اس میں بہت سے لوگ گرفتار ہوئے تھے ، ان میں ایک خاتون خولہ حنفیہ تھیں ، اُنھیں مدینہ منورہ لایا گیا تو باندی کی حیثیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں۔ ان سے حضرت علی کے صاحب زادے محمد پیدا ہوئے ، جنھوں نے محمد بن حنفیہ کے نام سے شہرت پائی۔ ایک روایت کے مطابق یہ خاتون اصلاً سندھ سے تعلق رکھتی تھیں اور اُنھیں خولہ سندیہ حنفیہ کہا جاتا تھا۔[۳۵]

---

[۳۵] وفیات الاعیان ج ۳ ص ۳۱۰

یہ بات محمد بن حبیب بغدادی نے بھی کتاب المنمق میں ابناء السندیات (سندھی عورتوں کی اولاد) کے تحت لکھی ہے۔

مسلمانوں کے خلاف پہلی جنگ

پہلی صدی ہجری کے بالکل ابتدائی دور ہی میں اسلام کی وسعت پذیر ردائے رحمت سرزمین برصغیر پر سایہ فگن ہونے لگی تھی اور یہاں کے مختلف شہروں اور علاقوں کو دینی اور اسلامی ثقافت کی برکتوں نے اپنی آغوشِ محبت میں لینا شروع کر دیا تھا اور اس طویل و عریض خطے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک قرآن و حدیث کی تبلیغ و اشاعت کے روح پرور سلسلے کا آغاز ہو گیا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا بعض کتبِ تاریخ میں کچھ ایسی روایات بھی ملتی ہیں، جن میں خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے "ہند" کا ذکر فرمایا اور اس کے بعض امور سے متعلق دلچسپی کا اظہار کیا، لیکن ان میں سے اکثر روایات پایۂ صحت کو نہیں پہنچتیں۔

برصغیر میں ورودِ اسلام کے ضمن میں ہمیں سب سے پہلے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ بابرکت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ان کے دورِ خلافت میں کسی ایسی مہم کا ذکر تو کتبِ تاریخ و رجال میں نظر نہیں آتا، جس کا تعلق براہِ راست سرزمینِ پاک و ہند سے ہو، البتہ تاریخ کی ورق گردانی سے پتا چلتا ہے کہ ان کے عہدِ خلافت (ذی الحجہ ۱۱ھ) میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کے زیرِ کمان یمامہ اور بحرین وغیرہ مقامات پر مرتدین کے خلاف جو جنگیں لڑی گئیں ان میں ہند اور سندھ کے ان جاٹوں اور ہندوؤں نے بھی حصہ لیا تھا جو بحرین اور بلادِ سواحل میں متوطن تھے۔ یہ لوگ وہاں گئے، مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں شریک ہوئے اور شکست کھائی۔ پھر ان میں سے جو زندہ بچ گئے اور ہزیمت اُٹھا کر واپس آئے، اُنھوں نے اپنی قوم کو ان حالات سے آگاہ کیا، جن سے وہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی طرف سے دوچار ہوئے تھے۔ کہنا چاہیے کہ مسلمانوں کے خلاف اہلِ ہند کی یہ پہلی فوجی چڑھائی یا ان کو پہلی دعوتِ جنگ تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت مختصر تھا جو ربیع الاوّل ۱۱ھ سے شروع ہوا اور جمادی الاخریٰ ۱۳ھ میں ختم ہو گیا، یعنی صرف دو سال تین مہینے پر مشتمل تھا۔ ان کے بعد مسلمانوں نے برصغیر کو مرکزِ توجّہ ٹھہرایا اور کہنا چاہیے کہ پھر باقاعدہ ـــ کبھی بڑے اور کبھی چھوٹے پیمانے پر ـــ جنگی معرکوں کا آغاز ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کی وفات کے بعد ۱۳ھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت شروع ہوا۔ ان کے عہد میں باشندگانِ برصغیر کو احکامِ اسلام اور مسلمانوں کے کردار سے متعارف ہونے کے متعدد مواقع میسر آئے اور ان بلادِ شرکستان میں صدائے توحید گونجنا شروع ہوئی۔

برصغیر پر عرب مسلمانوں کے حملوں کا آغاز

ہند پر عرب مسلمانوں کی طرف سے فوج کشی کا آغاز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چار سال بعد ۱۵ھ میں ہوا، جب کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ کو بحرین اور عمّان کا والی مقرر کر کے بھیجا۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص نے اپنے بھائی حضرت حکم بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا کمان دار بنا کر ہندوستان کی ایک بندرگاہ "تھانہ" پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ موجودہ جغرافیائی اعتبار سے یہ بندرگاہ بمبئی کے قریب تھی۔ اب بھی اسے چھوٹی سی بندرگاہ کی حیثیت حاصل ہے۔

ایک روایت کے مطابق عثمان بن ابوالعاص نے اپنے بھائی حکم بن ابوالعاص کو گجرات کاٹھیاواڑ میں تھانہ اور بھڑوچ کی طرف بھیجا اور دوسرے بھائی حضرت مغیرہ بن ابوالعاص کو فوج دے کر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ تینوں بھائی (عثمان، حکم اور مغیرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ اس زمانے میں تھانہ، بھڑوچ اور دیبل بلادِ ہندوسندھ کے تین اہم مقام تھے، جن پر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام نے سب سے پہلے پرچمِ اسلام لہرانے کا عزم کیا۔

عرب اصحابِ تاریخ تھانہ کو تانہ اور بھڑوچ کو بروص یا بروس رقم کرتے ہیں۔ اس

کی مناسب تفصیلات بہ ترتیبِ زمانی اس کتاب کے بعض مقامات میں درج کی جارہی ہیں۔
چچ نامہ کی روایت کی رو سے اُس عہد میں ہندوستان کے ان علاقوں کا بادشاہ چچ بن سیلائج تھا جو پینتیس ۳۵ سال سے حکومت کر رہا تھا اور اس کی طرف سے دیبل کا حکمران سامہ بن دیوائج تھا۔

دیبل ایک مشہور تجارتی شہر تھا جو سندھ کے موجودہ شہر ٹھٹھہ کے قریب واقع تھا۔ جب مسلمان اور غیر مسلم فوجیں ایک دوسرے کے مقابلے میں میدانِ جنگ میں اتریں تو اسلامی فوج کے کمانڈر حضرت مغیرہ بن ابوالعاص نے جو آنحضرت کے صحابی تھے، تلوار میان سے نکالی اور بسم اللہ فی سبیل اللہ کا نعرہ لگا کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

عہدِ فاروقی میں بعض صحابہ کرام کرمان اور مکران کے علاقوں میں بھی وارد ہوئے، وہاں جنگیں لڑیں اور اس نواح کے بہت سے حصوں کو فتح کیا۔ یہ علاقے اس دور میں حدودِ سندھ میں واقع تھے۔ وہاں دربارِ خلافت سے بعض صحابہ باقاعدہ والی اور گورنر مقرر ہو کر آتے رہے۔

تاریخی روایات سے پتا چلتا ہے کہ بعض صحابہ رن کچھ کے علاقے میں بھی تبلیغ اسلام اور جہاد کے لیے تشریف لائے، جسے عربی زبان کی کتب تاریخ میں "کس" لکھا گیا ہے۔ یہ علاقہ موجودہ جغرافیائی صورتِ حال کے مطابق ہندوستان میں واقع ہے اور اس کی حدود ایک طرف سے صوبہ گجرات دوسری طرف سے صوبہ راجستان اور تیسری طرف سے صوبہ سندھ سے ملحق ہیں۔

قلات، لس بیلہ اور بلوچستان کے علاقوں کو بھی چند صحابہ کرام کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اس زمانے میں بلوچستان کسی صوبے یا مخصوص اور چند مقامات تک محدود علاقے کا نام نہ تھا۔ عربی تاریخوں میں اسے بلوص (ص کے ساتھ) بھی اور بلوس (س کے ساتھ) بھی لکھا گیا ہے۔

ملتان، لاہور، بنوں اور کوہاٹ کے شہروں اور علاقوں کی سرزمین بھی صحابہ رسولؐ

کی پُرعظمت جماعت سے متعارف ہوئی۔ عرب مؤرخین ملتان کو ملتان بھی لکھتے ہیں اور مولتان بھی۔ لاہور کا نام لاہور بھی تحریر کیا گیا ہے اور لہور، لوہور اور لہاور بھی۔ بنوں کو بنّہ اور کوہاٹ کو کہیں کوہات اور کہیں کہات رقم کیا گیا ہے۔ اس زمانے میں ان علاقوں اور شہروں میں سے بعض اچھے خاصے بارونق شہر تھے اور بعض کی حیثیت چھوٹے چھوٹے دیہات اور قصبات کی تھی۔ آبادیاں دُور دُور تھیں، ایک دوسرے سے متصل اور قریب نہ تھیں۔ مختلف علاقوں اور ملکوں میں خاص قسم کی حد بندیاں بھی نہ تھیں۔

برصغیر میں پچیس صحابہ کرام

خطۂ برصغیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچیس صحابہ کرام تشریف لائے۔ بارہ حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد میں، پانچ حضرت عثمان رضؓ کے عصرِ خلافت میں، تین حضرت علی رضؓ کے دورِ امارت میں، چار حضرت معاویہ رضؓ کے ایامِ حکومت میں اور ایک یزید بن معاویہ کے زمانۂ حکمرانی میں۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ محدثین اور ماہرینِ اصولِ حدیث نے علمی اور اصولی نقطۂ نظر سے صحابی کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

اوّل وہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرنِ عالی قدر میں اسلام قبول کیا، آپ کی صحبت و رویت سے بہرہ ور ہوا اور بحالتِ اسلام وفات پائی۔

دوم مُخَضرَم :۔ جس نے زمانۂ جاہلیت بھی پایا اور دورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھا۔ لیکن کسی وجہ سے آنحضرت کے فیضِ صحبت سے مستفیض نہ ہو سکا۔ البتہ قبولِ اسلام کی سعادت عہدِ رسالت ہی میں حاصل کر لی۔

سوم مُدرِک :۔ جس نے آنحضرت کا عہدِ مبارک پایا، اسلام اگرچہ آپ کی حیاتِ طیبہ میں قبول کیا یا بعد میں کلمۂ شہادت پڑھ کر دائرۂ ایمان میں داخل ہوا۔

محدثین اور اصولیین کے نزدیک بالاتفاق ان تینوں پر لفظِ "صحابی" کا اطلاق ہوتا ہے اور واردِ برصغیر ہونے والے صحابہ کرام میں ان تینوں قسم کے صحابی شامل ہیں۔ ان کے حالات میں یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ ان میں کون بزرگ مخضرم اور کون

مدرک ہیں۔

ان پچیس صحابہ کرام کے وہ حالات جن کا تعلق صرف برصغیر سے ہے، آئندہ صفحات میں بیان ہوں گے۔ یہاں چند لفظوں میں ان کا تعارف ملاحظہ ہو۔

عہدِ عمر فاروق رضؓ میں مندرجہ ذیل بارہ صحابی برصغیر میں تشریف لائے۔

۱۔ حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفی:۔ خیار صحابہ میں سے تھے، جنھوں نے بلادِ ہند میں تین جنگیں لڑیں۔

۲۔ حَکَمؓ بن ابوالعاص ثقفی:۔ ہندوستان کے صوبہ گجرات میں بندرگاہ تھانہ اور بھڑوچ فتح کیے۔

۳۔ مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی:۔ پاکستان کے صوبہ سندھ کا شہر دیبل فتح کیا۔

۴۔ ربیعؓ بن زیاد حارثی مذحجی:۔ کرمان اور مکران کے علاقوں میں جہاد کیا، جو علاقہ سندھ میں شامل تھے۔

۵۔ حَکَمؓ بن محمد بن عمرو بن مجدع تعلبی غفاری:۔ مکران میں تگ و تاز جہاد کی۔

۶۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاری: فتح مکران میں شامل ہوئے۔

۷۔ سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاری: جنگِ مکران میں شرکت کی۔

۸۔ شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی:۔ مدرک صحابی ہیں جو فتحِ مکران میں شریک ہوئے۔

۹۔ صحار بن عباس عبدی:۔ جنگِ مکران میں شرکت کی۔

۱۰۔ عاصم بن عمرو تمیمی:۔ نواحِ سندھ اور سجستان کے قرب و جوار کے علاقے فتح کیے۔

۱۱۔ عبداللہ بن عُمیرؓ اشجعی:۔ بعض بلادِ سندھ ان کی کمان میں فتح ہوئے۔

۱۲۔ نسیر بن وَیسم بن ثور عجلیؒ:۔ مُخضرم صحابی تھے۔ بلوچستان کا کچھ حصہ ان کی کوشش سے فتح ہوا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں درجِ ذیل پانچ صحابیِ رسول ﷺ برصغیر میں آئے۔

۱۳۔ حُکیم بن جبلہ اسدی:۔ یہ مدرک صحابی ہیں اور بلادِ برصغیر کے اوّلین سیاح اور اس نواح کے حالات و کوائف کے عالم و ماہر۔

۱۴۔ عبید اللہ بن مَعمر بن عثمان قرشی تیمی:۔ فتحِ مکران میں حصّہ لیا اور اس علاقے کے والی مقرر ہوئے۔

۱۵۔ عُمیر بن سعد:۔ کچھ عرصہ ولایتِ مکران ان کے سپرد رہی۔

۱۶۔ مُجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمی:۔ فتحِ بلوچستان میں شرکت کی۔

۱۷۔ عبد الرحمٰن بن سَمُرہ بن حبیب قرشی تیمی:۔ سجستان اور کابل کے علاقے ان کی کمان میں فتح ہوئے اور ارضِ ہند کے بعض علاقوں پر فتح کے جھنڈے گاڑے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مندرجہ تحت تین صحابہ کرام واردِ برصغیر ہوئے اور یہاں کے بعض علاقوں کی جنگوں میں شرکت کی۔

۱۸۔ خریت بن راشد ناجی سامی:۔ علاقہ سندھ اور مکران میں تشریف لائے۔

۱۹۔ عبید اللہ بن سُوید تمیمی شقری:۔ مخضرم صحابی تھے۔ غزوۂ سندھ میں شریک ہوئے۔

۲۰۔ کُلیب ابو وائل:۔ ان کو بعض سیرت نگاروں نے صحابی اور بعض نے تابعی یعنی صحابی کے شاگرد لکھا ہے۔ منقول ہے کہ انھوں نے سرزمینِ ہند کے ایک علاقے میں ایک درخت دیکھا، جس کے سُرخ رنگ کے ایک پھول پر سفید حروف میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ مرقوم تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ امارت میں جو چار صحابی اس خطۂ ارض میں تشریف لائے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

۲۱۔ مُہلّب بن ابو صفرہ ازدی عتکی:۔ یہ مدرک صحابی تھے، جنھوں نے علاقہ سندھ

کے ایک شہر بدھہ اور موجودہ صوبہ سرحد کے شہروں بنوں اور کوہاٹ تک پیش قدمی کی۔

۲۲۔ عبداللہ بن سوّار بن ہُمام عبدی :- یہ بھی مدرک صحابی تھے۔ بعض غزواتِ ہند میں شریک ہوئے اور درجۂ شہادت کو پہنچے۔

۲۳۔ یاسر بن سوّار بن ہُمام عبدی :- یہ بھی مدرک صحابی تھے اور عبداللہ بن سوّار عبدی کے بھائی تھے۔ قلات کے ایک پہاڑی مقام کی جنگ میں شریک ہوئے۔

۲۴۔ سِنَان بن سلمہ بن مُحبّق ہُذلی :- قبیلہ بنو ہُذَیل سے تعلق رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت و صحبت سے مشرف تھے۔ ایک مرتبہ ارضِ ہند کے مفتوحہ علاقوں کے والی اور گورنر مقرر ہوئے۔

یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں ایک صحابی برِ صغیر میں آئے۔

۲۵۔ منذر بن جارود عبدی :- بوقان اور قلات وغیرہ علاقوں کی جنگوں میں شریک ہوئے اور وہیں وفات پائی۔

برصغیر اگرچہ بعض ملکوں کی بہ نسبت خطۂ حجاز سے بہت دور تھا مگر سیرت و تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس خطۂ ارض کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تشریف لائے، تابعین اچھی خاصی تعداد میں آئے، تبع تابعین نے یہاں قدم رنجہ فرمایا اور محدثین و فقہا کی بہت بڑی تعداد نے اپنے وجودِ مسعود سے اس کو رونق بخشی۔

قبیلہ بنو ثقیف اور برصغیر

جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا، ابتدائی دور ہی میں اسلام یہاں آ گیا تھا اور قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے کفرستانِ ہند میں جنگ و جہاد کی طرح ڈال دی تھی تاکہ اس ملک کے باشندے ان پاکیزہ اخلاق و کردار، اعلیٰ تہذیب و ثقافت اور تعلیم و شائستگی کی ان بلند ترین اقدار سے بہرہ یاب ہو سکیں، جن کو اسلام میں بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن پوری قوت اور عظیم فاتح کی حیثیت سے مسلمان اُموی حکمران ولید بن عبدالملک کے عہد میں ۹۳ھ کو محمد بن قاسم ثقفی کے زیرِ کمان پاکستان کے موجودہ صوبہ سندھ

کی طرف سے داخلِ برصغیر ہوئے۔ تھوڑے سے ہی عرصے میں قبیلۂ بنو ثقیف کے اس بہادر جرنیل ـــــ محمد بن قاسم ثقفی ـــــ نے سندھ کا تمام تر علاقہ فتح کر لیا اور اس کی سرحدوں کو عبور کر کے ملتان تک آگے بڑھ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر اسلامی طاقتوں نے ہتھیار ڈال دیے، پرچمِ کفر سرنگوں ہوگیا اور اسلام کے فروغ و اشاعت کی راہیں لمحہ بہ لمحہ کھلتی چلی گئیں۔

قبیلۂ بنو ثقیف کے لوگوں نے ابتدائے اسلام میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی اذیتیں پہنچائی تھیں۔ طائف میں آپ تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے پتھر مار مار کر آپ کو لہولہان کر دیا تھا۔ یہ لوگ بہت سے قبائلِ عرب کے بعد آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نعمتِ اسلام سے متمتع ہوئے تھے۔ لیکن ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ خدمتِ اسلام کے بعض نہایت اہم گوشوں میں اللہ نے ان کو اوّلیّت کی سعادت سے نوازا اور ان کی سعیِ مسلسل اور تگ و تازِ مجاہدانہ سے دُنیا کے دُور دراز کونوں تک صدائے حق پہنچی۔ اسی بت کدۂ ہند کی تاریخ کو سامنے رکھیے کہ یہاں سب سے پہلے اسی قبیلے کے بہادر فوجیوں اور نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ نے توحید کی آواز بلند کی۔

ایک خیال ـ ایک اندازہ

یہاں اس حقیقت پر بھی غور کرنا چاہیے کہ برصغیر پاک و ہند کے مختلف مقامات میں مسلمان بغرضِ جہاد ۱۵ ہجری میں حضرت عمر فاروق کے عہدِ خلافت میں آئے تھے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صرف چار سال کا عرصہ گزرا تھا اور وہ صحابۂ کرام کا زمانہ تھا۔ بندرگاہِ تھانہ، بھڑوچ، دیبل اور مکران کے دور دراز اور اجنبی علاقوں میں جہاد کا قصد دو چار آدمیوں ہی نے تو نہیں کیا ہوگا، ظاہر ہے اگر ہزاروں کی تعداد میں نہیں تو مجاہدین سینکڑوں کی تعداد پر ضرور مشتمل ہوں گے اور وہ سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان خوش نصیب حضرات میں وہ بھی ہوں گے جنھوں نے آنحضرت کی رویت و صحبت کی سعادت

حاصل کی، اور مخضرم اور مدرک صحابی بھی ہوں گے۔ جہاد، تجارت، محنت مزدوری، کاروبار، تبلیغ اسلام اور اشاعتِ دینِ اسلام کے سلسلے میں صحابہ کرام مختلف علاقوں اور مختلف بلاد و امصار میں پھیل گئے تھے، ان کا مسکن مکہ و مدینہ یا عرب کے بعض علاقے ہی نہ رہے تھے۔ تاریخ کی کتابوں سے ہمیں صرف پچیس صحابہ کے اسمائے گرامی کا پتا چل سکا ہے، جن کے مبارک قدم جہاد کے لیے برصغیر میں پہنچے، ورنہ خیال یہ ہے کہ بہت سے صحابہ یہاں تشریف لائے ہوں گے، جنھوں نے اس خطۂ ارض کے مختلف مقامات کو اپنا مسکن ٹھہرایا ہوگا۔

برصغیر میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صحابہ کرام کا ہر قول اور ہر عمل حدیث رسول اور ارشاداتِ پیغمبر سے ہم آہنگ تھا۔ وہ جہاں جاتے فرامینِ نبوت ان کے ساتھ جاتے، جن سے زندگی کے تمام نشیب و فراز میں وہ رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی احادیث کا قلب نواز اور روح پرور ذخیرہ ان کے ساتھ آیا۔ آنحضرت کے وصال سے چار سال بعد ۱۵ ہجری میں صحابہ کی جو جماعت یہاں آئی، وہ حدیثِ رسول اپنے ساتھ لائی۔ اس طرح کہنا چاہیے کہ ۱۵ ہجری میں اس خطے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ پہنچنا شروع ہوگئی تھیں۔

صحابہ کی مقدس جماعت کے سفرِ حیات کی منزلیں آنحضرت کے فرامین وارشادات کی روشنی میں طے ہوتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی طرزِ معاشرت کا ہر گوشہ اور اسلوبِ زندگی کا ہر پہلو آپ کے اسوہ و عمل کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ وہ گھر میں ہوں یا باہر، سفر میں ہوں یا حضر میں، حالتِ جنگ میں ہوں یا امن میں، زراعت میں مشغول ہوں یا تجارت میں، ہر لمحہ اور ہر حال میں ان کے پیشِ نگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احادیث کا ذخیرہ رہتا تھا، یہی ان کا اوڑھنا بچھونا اور یہی سرمایۂ زندگی تھا۔ وہ جس ملک اور جس علاقے میں گئے اور جس منصوبے کے تحت گئے، حدیثِ رسول اپنے ساتھ لے کر گئے۔ برصغیر پاک و ہند میں آئے تو یہ متاع لیے یہاں ان کے

ساتھ تھی اور انھوں نے جہاں جو قدم اٹھایا اُسی کی رہنمائی میں اُٹھایا۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے یہ اوّلین نقوش ہیں، جو پہلی مرتبہ ۱۵ ہجری میں اس کی سطح ارض پر اُبھرے اور پھر تاریخ کے ایک خاص تسلسل کے ساتھ پوری تیزی سے لمحہ بہ لمحہ ابھرتے اور نمایاں ہوتے چلے گئے ــــــ انہی نقوش اوّلین کو آئندہ صفحات میں اُجاگر کیا گیا ہے۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

اب سے سولہ سال پہلے ۱۹۷۳ء میں جب میں نے "فقہائے ہند" کے نام سے سلسلۂ تصنیف شروع کیا تو پہلی صدی ہجری کے واقعات کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سی نئی چیزیں سامنے آئیں۔ تاریخ اور جغرافیے کی قدیم عربی کتابوں سے پتا چلا کہ یہ خطۂ برصغیر جہاں علم و فضل کے اعتبار سے انتہائی سرسبز و شاداب ہے، وہاں اسے یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تشریف لائے، صحابہ کے شاگردوں ــــ تابعین ــــ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس سرزمین کو نوازا اور تابعین کے شاگردوں ــــ تبع تابعین ــــ نے یہاں قال اللہ و قال الرسول کی مسرت انگیز اور بہجت افزا صدائیں بلند کیں۔ اس کا ذکر فقہائے ہند کی پہلی جلد کے مقدمے میں کیا گیا ہے۔ جو صحابہ و تابعین اور تبع تابعین وارد برصغیر ہوئے، ان کے اسمائے گرامی بھی درج کتاب کیے گئے ہیں۔

خیال یہ تھا کہ جلد ہی ان کے حالات و کوائف مرتب کرکے کتابی شکل میں شائع کیے جائیں گے، لیکن مختلف کاموں میں اس قدر مصروفیت رہی کہ اس طرف توجہ نہ دے سکا اور یہ ضروری کام مؤخر ہوتا گیا اس اثنا میں قاضی اطہر مبارک پوری کی بعض کتابیں بھی سامنے آگئیں، جن سے میں نے استفادہ کیا ہے۔

اس کتاب میں جو معزز قارئین کے زیر مطالعہ ہے، برصغیر میں تشریف

لانے والے پچیس صحابہ کرام ، بیالیس تابعین اور اٹھارہ تبع تابعین کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے وہ حالات بیان کیے گئے ہیں ، جو برصغیر سے متعلق ہمارے علم ومطالعے میں آئے ۔

وما توفیقی الا باللہ العلیّ العظیم
ربنا تقبّل منا انک انت السمیع العلیم

بندۂ عاجز
محمد اسحاق بھٹی

۱۵ ۔ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ
۲۲ ۔ اپریل ۱۹۸۹ء

صحابہ

تعداد ——— ۲۵

حضرت عمر فاروق کے عہدِ خلافت میں

۲۲ اور ۲۳ جمادی الاخریٰ کی درمیانی شب ۱۳ ہجری کو خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ ۲۳ جمادی الاخریٰ کو بالاتفاق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین منتخب کیا گیا۔ ۲۷ ذی الحجہ ۲۳ ہجری کو ابولؤلو نے ان پر اس وقت خنجر سے حملہ کیا اور لگاتار چھ وار کیے جب کہ وہ مسجد نبوی میں فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ یکم محرم ۲۴ ہجری کو ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کا زمانۂ خلافت ساڑھے دس برس پر مشتمل ہے۔ ان کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے بہت سے علاقے اور ملک فتح کیے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی انہی کے زمانے میں صحابہ کے قدم پہنچے اور یہاں کے باشندوں کو اسلامی احکام و اقدار سے روشناس ہونے کا موقع ملا۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں ہمیں بارہ صحابہ کرام کے نام ملتے ہیں جو عصرِ فاروقی میں بسلسلۂ جنگ وجہاد وارد برصغیر ہوئے۔ قرائن بتاتے ہیں کہ بہت سے صحابہ ان کے زمانے میں اس ملک میں آئے مگر افسوس ہے، ہماری رسائی ان اولوالعزم جماعت کے تمام حضرات کے اسمائے گرامی تک نہیں ہو سکی۔ ہماری محدود نظر صرف بارہ حضرات تک پہنچ سکی ہے۔ ان کے بھی زیادہ حالات میسر نہیں آئے۔ بسطور ذیل میں ان بارہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں برصغیر پاک و ہند میں آئے۔

۱۔ حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفی رضؓ

قبیلۂ بنو ثقیف سے تعلق رکھنے والے صحابۂ کرام میں حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی خاص شہرت و اہمیت کا حامل ہے۔ حافظ ابن حزم نے "جمہرۃ انساب العرب" میں ان کے بارے میں جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں، وہ ان کی جلالتِ قدر پر دلالت کناں ہیں۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

کان من خیار الصحابۃ۔

کہ حضرت عثمان کا شمار بلند مرتبت صحابہ میں ہوتا تھا۔

یہ جلیل القدر صحابی دراصل طائف کے رہنے والے تھے اور بنو ثقیف کے اس وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آئے تھے جو رمضان المبارک ۹ ہجری کو عبد یالیل کی قیادت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تھا۔ اس وقت عثمان کی عمر سولہ سترہ سال کی تھی۔ ارکان وفد کئی دن مدینہ منورہ میں اقامت گزیں رہے اور اس اثنا میں عثمان بن ابو العاص نے چپکے سے اسلام قبول کر لیا تھا اور پھر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہما سے قرآن مجید کی چند سورتیں زبانی یاد کر لی تھیں اور دین کے ضروری مسائل سیکھ لیے تھے۔ اس اعتبار سے ارکانِ وفد میں آنحضرتؐ کے نزدیک دین اسلام کے یہ سب سے زیادہ عالم اور باخبر قرار پائے، اور آپؐ نے انھیں طائف کے منصبِ امارت و امامت سے سرفراز فرمایا۔

۱۴ ہجری میں خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بصرہ اور کوفہ کی دو فوجی چھاونیاں تعمیر کرائیں تو بعض صحابہ کے مشورے سے حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طائف سے مدینہ منورہ بلایا اور انھیں بصرے کا معلم مقرر کر دیا۔ معلم کا منصب اس وقت بھی بہت بڑا منصب تھا، اب بھی اس کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ہمیشہ حاصل رہے گی۔ حضرت عثمان ثقفی نے یہ خدمت نہایت حسن و خوبی سے سرانجام دی اور بصرہ کے بے شمار لوگوں کو حصولِ علم کی صاف ستھری راہ پر

گامزن کیا۔ تقریباً ایک سال وہ اس منصب پر فائز رہے۔

۱۵ ہجری کو حضرت عمرؓ نے انھیں عمان اور بحرین کے علاقوں کا گورنر بنا دیا۔ اسی سال حضرت عثمان بن ابو العاص نے عمان میں ایک بحری بیڑا تیار کرایا اور اپنے چھوٹے بھائی حضرت حکم بن ابو العاص ثقفی کی قیادت میں اسے ہندوستان کی طرف روانہ کیا۔ اسلامی حکومت کا یہ پہلا بحری بیڑا تھا جو ایک صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے تیار کیا گیا اور یہی وہ اوّلین بحری بیڑا تھا جو موجودہ جغرافیائی اعتبار سے بمبئی کے قریب تھانہ اور بھڑوچ کی بندرگاہوں پر حملہ آور ہوا۔ مجاہدین اسلام نے ان بندرگاہوں کو فتح کیا، لیکن ان پر قبضہ برقرار نہیں رکھا اور واپس عمان چلے گئے۔ ہندوستان کے کسی علاقے پر عرب مسلمانوں کا یہ پہلا حملہ تھا۔ یا یوں کہیے کہ یہ پہلا کاروانِ تہذیبِ اسلامی اور اوّلین قافلۂ حاملینِ حدیثِ رسول تھا جو عازمِ ہند ہوا۔

ان حضرات کا اصل مقصد اہلِ ہند کو ان پاکیزہ اخلاق و کردار، صاف ستھری تہذیب و ثقافت اور تعلیم و شائستگی کی ان بلند ترین اقدار سے بہرہ مند کرنا تھا، جن کو اسلام میں بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے۔

ہندوستان پر یہ حملہ ۱۵ ہجری میں ہوا تھا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت پر صرف چار سال کا عرصہ گزرا تھا اور یہ آپ کے صحابہ کا زمانہ تھا۔ تھانہ اور بھڑوچ کی بندرگاہوں پر جس بحری بیڑے کے ذریعے حملہ کیا گیا تھا، اس میں مجاہدین کا ایک لشکر سوار تھا، ان حضرات کی نہ تعداد کا علم ہو سکا ہے اور نہ ان کے نام کتبِ سیرت میں مل سکے ہیں۔ بحری بیڑا تیار کرنا اور پھر اس کے ذریعے کسی ملک پر حملہ کرنا دو چار یا دس بیس آدمیوں کا کام نہیں ہے، یقیناً یہ حضرات سینکڑوں کی تعداد میں ہوں گے، جنھوں نے اپنے آپ کو شدید خطرے میں ڈال کر سمندر کی تند و تیز لہروں پر تیرتے ہوئے ایک دور دراز ملک پر چڑھائی کی تھی۔

ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ عثمان بن ابو العاص نے اس بحری بیڑے کی قیادت خود کی تھی اور انھی کی کمان میں تھانہ اور بھڑوچ کی بندرگاہوں کو فتح کیا گیا تھا۔

حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے مختلف مقامات کی بہت سی جنگوں میں حصہ لیا اور متعدد عساکرِ اسلام کی قیادت کا فریضہ انجام دیا۔

آخری دور میں اُنھوں نے بصرے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ ایک روایت کی رُو سے ۵۱ ہجری میں اور ایک روایت کے مطابق ۵۵ ہجری میں وفات پائی۔[۱]

۲۔ حضرت حَکَم بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن ابو العاص ثقفی رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی حضرت حَکَم بن ابو العاص ثقفی تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ۱۴ ہجری میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عثمان بن ابو العاص کو معلّم بصرہ کا منصب عطا کر کے بصرے بھیجا اور پھر ایک سال بعد ۱۵ ہجری میں جب اُنھیں عمان اور بحرین کا والی بنایا تو عثمان نے اپنی جگہ اپنے اس بھائی حضرت حکم بن ابو العاص کو طائف کا امیر مقرر کر دیا تھا، اس لیے کہ حضرت عمر نے طائف سے مدینہ منوّرہ بلاتے وقت عثمان کو لکھا تھا کہ جس کو آپ مناسب سمجھیں اپنی جگہ طائف کا والی بنا دیں اور خود میرے پاس تشریف لے آئیں۔ چنانچہ عثمان طائف کی امارت اپنے بھائی حکم کے سپرد کر کے خود امیر المومنین حضرت عمر فاروق کی خدمت میں مدینہ منوّرہ پہنچ گئے۔

اس سے کچھ عرصے بعد حضرت حکم اپنے بڑے بھائی حضرت عثمان کے پاس چلے گئے۔ عثمان نے ان کو بحرین کا امیر مقرر کیا اور اُنھوں نے امیر کی حیثیت سے کئی علاقوں پر فوج کشی کی اور فتح یاب ہوئے۔

حکم نے عثمان کے حکم سے بلادِ سندھ و ہند میں سے بندرگاہ تھانہ، بھروچ، دیبل، مکران اور اس کے نواحی علاقوں پر بھی یلغار کی اور جہاں گئے کامیاب رہے۔

یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بلادِ ہند پر حملے کے لیے

---

[۱] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۰۸، ۵۰۹۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۹۔ الاستیعاب ج ۲ ص ۲۷۲۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۷۲

دربارِ خلافت سے اجازت نہیں لی تھی ۔ فوجوں کی واپسی کے بعد جب انھوں نے حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی اور اپنی کامیابی سے مطلع کیا تو حضرت عمر نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ۔ ان کا نقطۂ نظریہ تھا کہ عثمان نے اتنے دُور دراز علاقے پر سمندری حملہ کرکے مجاہدین کی جانوں کو خطرے میں ڈال دیا تھا ۔ چنانچہ اُنھوں نے عثمان کو ایک تہدید آمیز خط لکھا ۔ اس خط کے کچھ الفاظ بلاذری نے اپنی کتاب "فتوح البلدان" میں درج کیے ہیں ۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں امیرالمومنین کے نزدیک ہندوستان کو سیاسی اور فوجی اعتبار سے کس درجے اہمیت حاصل تھی ۔ لکھتے ہیں :

یا اخا ثقیف ۔ اِحملت دودًا علی عود، و انی احلف باللّٰہ ان لو اصیبوا لاخذت من قومک مثلھم ۔

یعنی اے ثقفی ۔ ! تو نے چیونٹی کو لکڑی پر چڑھا دیا ۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر یہ فوجی مارے جاتے تو تجھ سے، تیری قوم میں سے اتنے ہی آدمی لے لیتا ۔

حضرت حکم بن ابوالعاص نہایت زیرک، انتہائی معاملہ فہم، حلیم الطبع ، دور اندیش، پیکرِ عفت، جنگی معاملات سے باخبر اور امورِ حرب و ضرب سے خوب آگاہ تھے ۔ تقوٰی و صالحیّت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ زیاد بن اَبُوسفیان نے ان کو اپنے ہاں بلایا ۔ ملاقات ہوئی اور باتیں کیں تو زیاد نے ان کے بارے میں لوگوں سے کہا :۔ " یہ صالحیت اور تقوے کا مجسّمہ ہیں ۔ ان کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ یہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں ۔"

زیاد نے ان کی زیارت کو اپنے لیے باعثِ برکت قرار دیا اور اُنھیں خراسان کا والی مقرر کیا ۔ ہندوستان کے بعض علاقوں میں بغرض جہاد آنے والے یہ صحابیِ رسولؐ زندگی کے آخری دور میں بصرے میں سکونت پذیر ہوگئے تھے اور وہیں ۴۵ ہجری میں وفات پائی ۔[۵۲]

---

[۵۲] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶ ۔ طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۴۱ (باقی اگلے صفحے پر)

۳۔ حضرت مُغیرہ بن ابوالعاص ثَقَفی رضؓ

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت عثمان ثقفی رضی اللہ عنہ کے بھائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ فتوح البلدان میں بلاذری لکھتے ہیں کہ مغیرہ کو ان کے بھائی عثمان نے عمان سے سندھ کے شہر دیبل پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ انھوں نے دیبل کا رُخ کیا، دشمن پر حملہ آور ہوئے اور فتح پائی۔

چچ نامہ میں مرقوم ہے کہ حضرت مغیرہ نہایت عاقل و فہیم اور دور رس نگاہ رکھنے والے صحابی تھے۔ جنگی صلاحیتوں سے آگاہ اور انتظامی مسائل کے حل و کشود سے بہرہ ور تھے۔ اُنھوں نے اپنے بڑے بھائی حضرت عثمان کی ہدایات کے مطابق پہلے سندھ کے شہر دیبل کا رُخ کیا اور پھر بعض دیگر علاقوں کی جنگوں میں حصّہ لیا۔ مثلاً جنگ فارس میں اُنھوں نے نہایت بہادری اور جرأت مندی کا ثبوت دیا۔

ان کے بھائی حضرت عثمان جب علاقۂ فارس کی ایک جنگ میں مسلمان فوجوں کی کمان کرنے گئے تو اپنی جگہ انہی کو عمان اور بحرین کا والی مقرر کیا تھا۔

ان تینوں بھائیوں — حضرت عثمان، حضرت حکم اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہم — نے طائف سے منتقل ہو کر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں کے لوگ ان کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مالی اور دینی اعتبار سے اس خاندان کو ہمیشہ اونچا مرتبہ حاصل رہا۔

حضرت مغیرہ بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ کا بصرہ میں انتقال ہوا۔ سالِ وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ ؎۳

(گذشتہ سے پیوستہ) اسد الغابہ ج ۲ ص ۳۵۔ الاصابہ ج ۲ ص ۲۸۔ فتوح البلدان ص ۴۰۰ و ۴۲۰۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۴۱۔ معجم البلدان ج ۲ ص ۴۸۱

؎۳ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۶۔ فتوح البلدان ص ۹۲، ۲۵۶، ۴۲۰۔ العقد الثمین فی فتوح الھند ومن ورد فیھا من الصحابہ والتابعین ص ۵۶۔ ۵۷

۴۔ حضرت رُبیعؓ بن زیاد حارثی مذحجیؓ

حضرت رُبیعؓ عرب کے قبیلے بنو مذحج سے تعلق رکھتے تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مرتبت صحابی تھے۔ گورے رنگ کے دبلے پتلے اور بظاہر کمزور جسم کے مالک تھے، لیکن جنگ و جہاد میں بہت تیز اور دشمن کے مقابلے میں انتہائی جری تھے۔ لوگوں سے میل جول اور مراسم و روابط میں نہایت متواضع، منکسر اور نرم خو تھے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق نے ایک مرتبہ حاضرینِ مجلس سے پوچھا کہ مجھے کسی ایسے شخص کے بارے میں بتاؤ کہ جب وہ قوم کے منصبِ امارت پر فائز ہو تو ایسے معلوم ہو کہ وہ امیر نہیں ہے اور جب اس منصب پر فائز نہ ہو تو اپنے اندازِ زیست کی بنا پر اسے امیر سمجھا جاتا ہو۔

حضرت عمر کو جواب دیا گیا کہ اس قسم کے اوصاف کے آدمی تو ہمارے نزدیک صرف رُبیعؓ بن زیاد ہیں۔

فرمایا: صدقتم۔

تم نے ٹھیک کہا۔

اس کے بعد امیر المومنین نے ان کو خراسان کا والی مقرر کر دیا۔ انھوں نے بہت سی جنگوں میں حصّہ لیا اور ہر جنگ میں حریف کو شکست دی۔

۱۷ ہجری کو عہدِ فاروقی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت ربیع کو مختلف محاذوں پر عساکرِ اسلامی کا کمانڈر بنا کر بھیجا تو نہایت بہادری کا مظاہرہ کیا اور ہر محاذ پر دادِ شجاعت دی۔ اس زمانے میں سجستان کا زیادہ علاقہ سندھ میں شامل تھا اور کچھ حدودِ ایران میں واقع تھا، اس محاذ پر بھی وہ گئے اور فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑے۔

عہدِ فاروقی میں زرنج، زالق، کابل، سیوستان، کرمان اور مکران کی جنگوں میں شرکت کی۔ کرمان، مکران اور سیوستان کے باقاعدہ گورنر رہے۔ ان میں سے بعض علاقوں کا کچھ حصّہ اس عہد میں پاکستان کے موجودہ صوبہ بلوچستان میں اور کچھ حصّہ سندھ میں شامل تھا۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان علاقوں میں حضرت ربیع نے جو سلسلۂ جہاد شروع کیا تھا، وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حکومت میں بھی جاری رہا۔

ہمارے علم کے مطابق ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے حضرت ربیع بن زیاد حارثی مذحجی رضی اللہ عنہ چوتھے صحابیِ رسول ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بسلسلۂ جہاد واردِ برصغیر ہوئے۔

حضرت ربیع بن زیاد نے عہدِ معاویہ میں ۵۱ ہجری کو یا اس سے کچھ عرصہ بعد وفات پائی۔[۵۲]

۵۔ حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاری رضی اللہ عنہ

عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو غفار تھا، جس کی ایک شاخ بنو ثعلب کہلاتی تھی۔ حضرت حکم بن عمرو بن مجدّع رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو غفار کی اسی شاخ سے تھا، اسی وجہ سے انھیں ثعلبی غفاری کہا جاتا ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ آنحضرت سے روایتِ حدیث کا شرف بھی انھیں حاصل ہے۔ طبقاتِ ابنِ سعد کے مطابق حضرت حکم بن عمرو ثعلبی بصرہ تشریف لے گئے تھے اور وہیں مستقل طور سے اقامت اختیار کر لی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ۱۷ ہجری میں حضرت حکم کو مکران کا والی مقرر کیا اور لوائے مکران سے نوازا۔ ۲۳ ہجری میں حضرت حکم نے پورے علاقۂ مکران پر چڑھائی کی اور اسے فتح کیا۔ انھوں نے مکران کا محاصرہ کر لیا تھا، جس کی وجہ سے

---

[۵۲] جمہرۃ انساب العرب ص ۴۱۷۔ فتوح البلدان ص ۳۸۵، ۳۸۶۔ طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۰۔ شذرات الذہب ج ۱ ص ۵۵۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۳ ۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۶۴۔ العقد الثمین ص ۵۷، ۵۸

وہاں کے حکمران اور اس کی فوج میں اس قدر بد دلی اور مایوسی پھیل گئی کہ ان میں اسلامی سپاہ کا مقابلہ کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی ۔ حضرت عمر کو فتح کی اطلاع پہنچائی گئی تو بہت خوش ہوئے ۔

امیر المومنین کی خدمت میں فتح مکران کی خوش خبری حضرت صحار عبدی لے کر گئے تھے ۔ مالِ غنیمت بھی انہی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا ۔ سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ مالِ غنیمت میں چند ہاتھی بھی تھے ۔

مکران کا یہ وہ حصہ تھا جو موجودہ بلوچستان میں شامل تھا ۔ مکران اور اس کے قرب و جوار کا حکمران اس زمانے میں راجہ راسل تھا جو ایرانیوں کا طرف دار اور باجگزار تھا ۔ اس نے مسلمانوں کے ہاتھوں بُری طرح شکست کھائی ۔ لیکن صحار عبدی نے برصغیر کے کچھ اس قسم کے حالات معلوم کیے کہ جن کی بنا پر اسلامی فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا تھا ۔ یہ کس قسم کے حالات تھے ؟ اس کا ذکر حضرت صحار کے تذکرے میں آئے گا ۔

حضرت حکم بن عمرو ثعلبی غفاری رضی اللہ عنہ ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ عالی مرتبت صحابی تھے جو عہدِ فاروقی میں واردِ مکران ہوئے جو پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں شامل تھا ۔ ۲۳ ہجری میں انھوں نے اس پورے علاقے کو فتح کر لیا تھا ۔ اس نواح کے برصغیر کے متعدد علاقوں میں ان کی تگ و تازِ مجاہدانہ کئی سال جاری رہی ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں حضرت حکم کو خراسان کا والی مقرر کر دیا تھا ۔ باختلافِ روایات انھوں نے ۴۵ یا ۵۰ یا ۵۱ ہجری کو خراسان میں وفات پائی ۔ ؎۵

؎۵ جمہرۃ انساب العرب ص ۱۸۶ ۔ فتوح البلدان ص ۴۰۰ ۔ طبری ج ۴ ص ۱۸۱ ، ۱۸۲ ۔ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۸ ، ۲۹ ۔ الاصابہ ج ۱ ص ۳۴۶ ۔ اسد الغابہ ج ۱ ص ۴۱۸ و ج ۲ ص ۲۶ ، ۲۷ ۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۷ ۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۶ ، ۴۳۷ ۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۳۱۳ ، ۳۱۴ ۔ العقد الثمین ص ۵۹ تا ۶۱ ۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری رضؓ

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاری رضی اللہ عنہ کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی قدر صحابہ اور معززین انصار میں ہوتا ہے۔ نہایت بہادر و شجاع، جنگجو اور فنِ حرب میں ماہر تھے۔ حضرت عمر فاروق نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو کوفے کا گورنر مقرر کیا تھا، لیکن جب حضرت عمر نے حضرت سعد کو ایران اور عراق کے محاذ پر بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں مدینہ منورہ آنے کی دعوت دی تو حضرت سعد نے حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری کو اپنی جگہ کوفے کا گورنر مقرر فرمایا۔

اسد الغابہ اور الاصابہ وغیرہ کتبِ تاریخ میں مرقوم ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت عمر نے ان سے دریافت فرمایا۔

کوفے کے منصبِ امارت پر کس کو متعین کیا۔؟

انھوں نے جواب دیا: عبداللہ بن عبداللہ انصاری کو۔!

حضرت عمر نے اس پر پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

بعد ازاں حضرت عمر نے عبداللہ بن عبداللہ انصاری کو اصفہان کی گورنری پر مامور فرمایا۔ وہاں انھوں نے مخالفینِ اسلام سے جہاد کیا اور پھر اہلِ اصفہان نے ان سے صلح کرلی تھی۔

فارس کے ایک مقام "جی" کی جنگ میں بھی اُنھوں نے حصہ لیا اور باشندگانِ جی سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں گے اور مسلمان ان کے مال و جان کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔ یہ صلح نامہ انہی حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری نے تحریر کیا تھا۔ یہ ۲۳ ہجری کا واقعہ ہے۔

اسی سال یعنی ۲۳ ہجری میں عبداللہ بن عبداللہ انصاری کو مکران (بلوچستان) بھیجا گیا۔ اس وقت مکران میں حضرت حکمؓ بن عمرو غفاری مصروفِ جہاد تھے۔ عبداللہ بن عبداللہ انصاری نے جہادِ مکران میں حکم بن عمرو غفاری کی بہت مدد کی اور آنحضرت ﷺ

کے ان دونوں صحابہ نے اس نواح میں کھل کر بہادری کے جوہر دکھائے۔[۵۶]

۷۔ حضرت سہل بن عدی خزرجی انصاری رضؓ

قبیلۂ خزرج مدینہ منورہ کا معروف و ممتاز قبیلہ تھا۔ حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور انصارِ مدینہ میں سے تھے۔ ان کا مختصر سا سلسلۂ نسب یہ ہے: سہل بن عدی بن مالک بن حرام بن خدیج بن معاویہ خزرجی انصاری۔ انھوں نے جنگِ بدر میں حصہ لیا اور مشرکینِ مکہ کے خلاف شریکِ جہاد ہوئے۔ ان کے دو بھائی اور تھے، ایک کا نام ثابت بن عدی اور ایک کا عبدالرحمٰن بن عدی تھا۔ یہ جنگِ احد میں شامل تھے۔ یعنی تینوں بھائی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی اور اسلام کے نامور مجاہد تھے۔

حضرت عمر فاروق نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کو خط لکھا کہ سہل بن عدی کو مکران کا والی مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت سہل مکران گئے اور علاقہ مکران اور اس کے گرد و نواح کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا، جس میں حضرت عبداللہ بن عبداللہ انصاری نے بھی ان کی بڑھ چڑھ کر مدد کی۔ حضرت حَکَم بن عمرو غفاری بھی ان معرکوں میں شریک تھے۔ یہ تینوں بزرگ آنحضرت کے صحابی تھے۔ یہ ۲۳ ہجری کا واقعہ ہے۔ اسی سال بلوچستان کے بعض علاقے فتح کیے گئے۔ اس میں بھی ان حضرات کا بہت بڑا حصہ ہے۔[۵۷]

۸۔ حضرت شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمی رضؓ

یہ قبیلۂ بنو تمیم یا قبیلہ بنو مازن کے صاحبِ احترام فرد تھے اور رسول اللہ

---

[۵۶] الاصابہ ج ۲ ص ۳۲۸۔ طبری ج ۴ ص ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹۹۔ العقد الثمین ص ۶۱۔

[۵۷] الاصابہ ج ۲ ص ۸۸۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۱۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۶۸۔ العقد الثمین ص ۶۲۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرک صحابی تھے۔ طبری نے سولھویں سن ہجری کے واقعات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ یہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق کا عہدِ خلافت تھا۔

حضرت شہاب نہایت مستقل مزاج اور بدرجۂ غایت پختہ ارادے کے مالک تھے۔ اپنے زمانے کے مشہور شہسوار اور معروف شاعر تھے۔ کئی جنگوں میں شریک ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ ہمدردیٔ خلائق اور لوگوں کی خدمت گزاری میں بے مثال تھے۔ حضرت حکم بن عمرو ثعلبی جب مکران میں مصروف پیکار تھے تو یہ وہاں پہنچے اور شریک جہاد ہوئے۔ اس طرح ارضِ برصغیر کو ان کی قدم بوسی سے بہرہ یاب ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔[۵۸]

۹۔ حضرت صحار بن عباس عبدیؓ

کتبِ سیرت میں منقول ہے کہ حضرت صحار بن عباس عبدی رضی اللہ عنہ، وفدِ عبد القیس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے صحابیت کے مرتبۂ عالی کو پہنچے۔ ان کا رنگ نہایت سُرخ تھا اور اپنے علاقے کے بہت بڑے خطیب اور ادیب تھے۔ عالم و فاضل، عابد و زاہد اور پیکرِ خیرات و حسنات تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ فصاحت و بلاغت میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ علمِ انساب کے ماہر تھے۔

صحابہ کرام کے سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ حضرت صحار کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کا سختی سے مطالبہ کرتے تھے۔ جنگِ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ بصرہ میں رہائش تھی۔

---

۵۸ الاصابہ ج ۳ ص ۴۵۵ - تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۶ و ۱۸۱ —
العقد الثمین ص ۶۳

حضرت صحار رضؓ جنگِ مکران میں شامل تھے۔ فتح مکران کے بعد ان کو دربارِ خلافت میں حضرت عمر فاروق کی خدمت میں مژدۂ فتح سنانے کے لیے بھیجا گیا تو فاروقِ اعظم نے نہایت اعزاز سے ان کا استقبال کیا اور فرمایا:

مکران کے بارے میں بتاؤ، کیسا علاقہ ہے۔؟

ادیبانہ زبان میں جواب دیا:

فہلہا جبل، وماءھا وشل، وتمرھا دقل، وعدوھا بطل۔

اس کی نرم و ہموار زمین پہاڑ ہے، پانی کم، کھجوریں ردی اور دشمن بے باک۔

حضرت عمر نے یہ سن کر فوج کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔[۹]

۱۰۔ حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضؓ

بنو تمیم کا قبیلہ قبائلِ عرب میں بہت مشہور قبیلہ تھا۔ حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ اس قبیلے کے ممتاز فرد تھے اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرفِ صحابیت حاصل تھا۔ صاحبِ جود و سخا، کریم النفس، عالی کردار اور بلند اخلاق تھے۔ جنگِ قادسیہ میں شریک تھے اور نہایت مجاہدانہ فطرت کے مالک تھے۔ شاعر بھی تھے اور عمدہ شعر کہتے تھے۔ فتح عراق کے سلسلے میں ان سے کئی شعر منقول ہیں۔

حضرت عاصم بن عمرو تمیمی رضی اللہ عنہ نے نواحِ سندھ میں یلغار کی اور سجستان کے قرب و جوار کا وہ علاقہ جو سندھ سے ملحق تھا، ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی زد میں آیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔[۱۰]

---

[۹] الاستیعاب ج ۱ ص ۱۹۳ ۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۶۲ ۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۴ و ۱۹۳ ۔ کتاب المحبّر ص ۲۹۴ ۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۱ ۔ الاصابہ ج ۲ ص ۲۷۰ ۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۷

[۱۰] الاصابہ ج ۲ ص ۲۳۸ و ج ۳ ص ۲۳۰ ۔ الاستیعاب ج ۳ ص ۱۲۵ ۔ العقد الثمین ص ۶۵

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رض

ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن عُمیرؓ اشجعی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ۔ ابن مندہ کا کہنا ہے کہ ان کا شمار اہلِ مدینہ میں ہوتا ہے۔ طبرانی میں یحییٰ بن مسلم عن وقدان عن عبد اللہ بن عمیر الاشجعی کے طریق سے ان کی روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

طبری کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمیر اشجعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابی ہیں جو عہد فاروقی میں ۲۳ ہجری کو جنگِ سجستان میں حضرت عاصم بن عمیر تمیمی رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان دونوں کی جدوجہد سے وہ علاقہ فتح ہوا جو اُس زمانے میں بلادِ سجستان سے لے کر سندھ کے اندرونی حصے تک پھیلا ہوا تھا اور دریائے بلخ بھی اس میں شامل تھا۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب البدایہ والنہایہ کی جلد ۷ میں ۲۳ ہجری کے واقعات میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔[۱۱]

۱۲۔ حضرت نسیر بن دیسم بن ثور عجلی رض

امام ابن حزم نے اپنی تصنیف "جمهرة انساب العرب" میں حضرت نسیر بن دیسم کو عرب کے قبیلۂ بنو عجل کے فردِ فرید قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" کی جلد ۲ میں ان کا ذکر کیا اور انھیں مخضرم صحابہ میں گردانا ہے۔ یہ "صاحبِ قلعة النسیر" مشہور تھے۔

---

۱۱ الاصابہ ج ۲ ص ۲۴۶ ۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۱۸۰، ۱۸۱ ۔ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۳۲ ۔ الاستیعاب ج ۲ ص ۱۲۵

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: نسیر بن دیسم بن ثور بن عریجہ بن محلم بن ہلال بن ربیعہ بن عجل بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل۔

حضرت نسیر بن دیسم عجلی نے حضرت عمر فاروق کے دورِ خلافت کی کئی جنگوں میں شمولیت کی اور ہر جنگ میں فتح یاب ہوئے۔

طبری نے ۲۲ ہجری کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت نسیر جنگِ ہمدان اور جنگِ نہاوند میں شریک تھے۔ علاوہ ازیں جنگِ قادسیہ میں بھی ان کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔

۲۳ ہجری میں جب حضرت سہل بن عدی رضی اللہ عنہ نے علاقہ قفص یعنی بلوچستان فتح کیا تو نسیر بن دیسم اس میں شامل تھے اور فوج کے ایک دستے کی کمان ان کے سپرد تھی۔[۱۲]

۱۲۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۳۴۴ ۔ طبری ج ۴ ص ۱۴۶ و ۱۸۰ ۔ الاصابہ ج ۳ ص ۵۵۳ ۔ العقد الثمین ص ۶۶

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد غرۂ محرم ۲۴ ہجری میں حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ ان کا عہدِ خلافت بارہ دن کم بارہ سال پر محیط ہے۔ ۱۸۔ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو ان کی شہادت کا واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ ان کے ایّامِ خلافت میں فتوحاتِ اسلامی کا دائرہ دُور دراز علاقوں تک پھیلا۔ فارس، خراسان، سیستان، افریقہ، سواحلِ شام اور بحر روم ان کے زمانے میں فتح ہوئے نیز ارضِ ہند میں مکران، سندھ اور بلوچستان کے متعدد علاقوں اور شہروں پر عساکرِ اسلامی کے علمِ فتح لہرائے۔ اس ضمن میں امام ابویوسف "کتاب الخراج" میں امام زہری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ان افریقیۃ وخراسان وبعض السند افتتحت فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ۔

یعنی افریقہ، خراسان اور سندھ کے بعض حصے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں پانچ صحابہ کرام خطۂ برصغیر میں تشریف لائے۔ مسلسل نمبروں کے ساتھ ان کے اسمائے گرامی اور مختصر حالات درجِ ذیل ہیں۔

۱۳۔ حضرت حُکیم بن جبلہ عبدی رض

اصولیین کے نقطۂ نظر کے مطابق حضرت حُکیم بن جبلہ عبدی رضی اللہ عنہُ مدرکِ صحابی تھے۔ یعنی اُنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا، لیکن یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ قبولِ اسلام کی نعمت آنحضرت کی حیاتِ طیبہ میں حاصل ہوئی یا آپؐ کے بعد۔!

ان کا نسب نامہ یہ ہے: حکیم بن جبلہ بن حصین بن اسود بن کعب بن عامر بن الحارث بن الدیل بن عمرو بن غنم بن ودیعہ بن لکیز بن افصی بن عبدالقیس بن دعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار العبدی۔!

حضرت حُکیم بن جبلہ عبدی قبیلۂ بنو عبدالقیس سے تعلق رکھتے تھے اور پہلے مسلمان سیّاح تھے جو سیاحت کی غرض سے برصغیر پاک وہند کے بعض علاقوں میں آئے اور اس نواح کے حالات وکوائف سے واقفیت حاصل کی۔

بلاذری نے فتوح البلدان میں ان کے بارے میں یہ دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت پر متمکن ہوئے تو عبداللہ بن عامر کو عراق کا والی مقرر کیا اور ایک مکتوب کے ذریعے ان کو حکم دیا کہ کسی ایسے شخص کو ہندوستان بھیجا جائے جو وہاں کے مختلف علاقوں میں گھوم پھر کر کچھ ضروری معاملات فراہم کرے اور پھر اس کی فراہم کردہ معلومات سے دربارِ خلافت کو مطلع کیا جائے۔ چنانچہ عبداللہ بن عامر نے حُکیم بن جبلہ عبدی کو ہندوستان بھیجا۔ وہ بعض علاقوں کے چکر لگا کر واپس آئے تو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت عثمان نے پوچھا۔۔ کچھ معلومات لائے۔؟

عرض کیا:۔ امیر المؤمنین! میں دیارِ ہند میں گھوم پھر کر معلومات لایا ہوں۔

فرمایا:۔ اپنی حاصل کردہ معلومات بیان کرو۔

بولے :۔ ماءھا وشل، وثمرھا دقل، وارضھا جبل، واھلھا بطل ان قل الجیش فیھا ضاعوا وان کثروا جاعوا ۔

یعنی خطۂ ہند کی حالت یہ ہے کہ پانی میلا، پھل ردّی، زمین پتھریلی، باشندے بہادر، چور بے باک۔ لشکر کم ہو تو ضائع ہو جانے کا اندیشہ، زیادہ ہو تو بھوک سے مر جانے کا خطرہ۔

فرمایا : واقعہ بیان کر رہے ہو یا شاعری کر رہے ہو۔؟

عرض کیا : واقعہ بیان کر رہا ہوں ۔

حضرت حکیم بن جبلہ عبدی رضی اللہ عنہ ایک سیّاح صحابی تھے، جن کو خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں برصغیر پاک و ہند سے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے اس نواح میں بھیجا گیا تھا ۔

حضرت حکیم بن جبلہ عبدی ادب و شعر سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور بڑے فصیح البیان صحابی تھے۔ بصرہ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے اور وہاں کسی نے ان کو شہید کر دیا تھا۔[۱۳]

۱۴۔ حضرت عبیداللہ بن معمر تیمی رضؓ

قبیلۂ قریش کی ایک شاخ بنو تیم تھی، حضرت عبیداللہ بن معمر تیمی رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی شاخ سے تھا ۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ آپؐ سے اُنھوں نے بعض احادیث بھی روایت کیں۔ ان کی کنیت ابومعاذ تھی اور سلسلۂ نسب اس طرح ہے : ابومعاذ عبیداللہ بن معمر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد ابن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب القرشی التیمی ۔

بعض مؤرخینِ سیرت کا کہنا ہے کہ یہ صغار صحابہ میں سے تھے اور آنحضرت کے اس

---

[۱۳] فتوح البلدان ص ۴۲۲ ۔ الاصابہ ج ۱ ص ۳۷۹ ۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۹۸ ۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۳۲۲ ۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۴۰ ۔ العقد الثمین ص ۲، ۳۷، ۷۲

دُنیائے فانی سے تشریف لے جانے کے وقت کم سن تھے ۔ بعض حضرات کی تحقیق کے مطابق آنحضرت کے وصال کے موقعے پر ان کی عمر اکیس سال تھی ۔

الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کا شمار قبیلہ قریش کے معززین میں ہوتا تھا اور انھوں نے رسولِ اکرم سے روایتِ حدیث کا شرف حاصل کیا ۔ پھر ان کے سامنے عروہ بن زبیر اور محمد بن سیرین نے زانوئے شاگردی تہہ کیا جو کبار تابعین میں سے تھے ۔

صحابہ کرام کے سیرت نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ حضرت عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہ بڑے شجاع صحابی تھے ۔ انھوں نے اصطخر، خراسان اور فارس کی جنگوں میں شرکت کی اور ہر جنگ میں دادِ شجاعت دی ۔

خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کو فوج کا ایک دستہ دے کر مکران اور سندھ کی طرف بھیجا گیا تھا ۔ فتوحاتِ مکران میں انھوں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے ۔ بعد ازاں اس نواح کے مفتوحہ علاقوں کی امارت ان کے سپرد ہوئی ۔ نظم و نسق قائم رکھنے میں مہارت رکھتے تھے اور انتظامی معاملات پر بڑی گرفت تھی ۔

ایک روایت کی رو سے اس صحابیِ رسول اور امیرِ مکران نے اصطخر کے ایک معرکے میں جامِ شہادت نوش کیا [۱۴۱]

۱۵ ۔ حضرت عُمیر بن عثمان بن سعد رضی اللہ عنہ

ان کا شمار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علما و فضلا اور عبّاد و زہّاد صحابہ میں ہوتا تھا ۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ان کو جیشِ اسلامی کا کماندار بنا کر شام کے محاذ پر بھیجا تھا ۔ عہدِ فاروقی میں حمص کی ولایت و خطابت کے منصب پر

---

[۱۴۱] جمہرۃ انساب العرب ص ۱۴۰ ۔ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۴۵ ۔ الاستیعاب ج ۲ ص ۴۲۵ ، ۴۲۶ ۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۶۴ تا ۲۶۶ ۔ الاصابہ ج ۲ ص ۴۳۲ ، ۴۳۳ ۔ فتوح البلدان ص ۳۸۲ ۔

بھی ان کو متعین کیا گیا تھا۔ بہت بڑے خطیب اور عظیم مقرر تھے۔ حمص کے منبر پر خطبہ دیتے تو لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور ان کی زبان سے نکلی ہوئی ایک ایک بات کو قلب و ذہن میں محفوظ کر لیتے۔ احکام اسلام اس اسلوب سے بیان کرتے کہ معلوم ہوتا فصاحت و بلاغت کے دریا بہ رہے ہیں۔ زبان اور شمشیر دونوں ان کی اطاعت گزار تھیں۔ ان کے اوصافِ گوناگوں کی بنا پر حضرت عمر فاروق ان کے نہایت مدّاح تھے۔ فرمایا کرتے کہ میں چاہتا ہوں عُمیرؓ جیسا کوئی اور شخص مجھے مل جائے جو مسلمانوں کے مختلف انتظامی معاملات میں میرا ہاتھ بٹائے۔

۲۹ ہجری کے لگ بھگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمیر کی مختلف صلاحیتوں سے متاثر ہو کر ان کو امارتِ مکران کے منصب پر متمکن کیا۔ خاصا عرصہ یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ مکران کا یہ وہ حصہ تھا جو سندھ میں شامل تھا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت عمیر بن عثمان رضی اللہ عنہ نے ملکِ شام میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔[۱۵]

۱۶۔ حضرت مُجاشِع بن مسعود سُلَمی رضؓ

عربی ادبیات سے دلچسپی رکھنے والے لوگ، عرب کے مشہور شاعر امرئ القیس سے اچھی طرح واقف ہیں، جس کا سبع معلّقات میں ایک معروف معلّقہ ہے اور اس کی ادبی و شعری اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سبع معلقات میں اوّلین معلّقہ امرئ القیس کا ہے۔ حضرت مجاشع بن مسعود سُلَمی رضی اللہ عنہ اسی امرئ القیس کے اخلاف سے تھے۔ حضرت مجاشع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث بھی مروی ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے! مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ بن وہیب

---

[۱۵] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۴۴، ۱۴۵۔ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۳۷۴، ۳۷۵، العقد الثمین ص ۷۶۔

بن عائذ بن ربیعہ بن یربوع بن سمال بن عوف بن امرئ القیس بن بہثہ بن سلیم۔

حضرت مجاشع کے ایک شاگرد ابو عثمان النہدی تھے۔ وہ ان سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مجاشع نے ان کو بتایا کہ میں اور میرا بھائی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے آپ سے عرض کیا کہ ہم ہجرت پر آپ ﷺ سے بیعت کرنا چاہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ہجرت کا معاملہ تو گزر چکا۔

ہم نے عرض کیا: پھر ہم آپ سے کس چیز کے متعلق بیعت کریں۔

فرمایا: علی الاسلام والجھاد فی سبیل اللہ

کہ خدمتِ اسلام اور راہِ خدا میں جہاد کی بیعت کرو۔

فبایعناہ۔

چنانچہ ہم نے اس سلسلے میں آپ سے بیعت کی۔

اس حدیث کے راوی ابو عثمان النہدی کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت مجاشع کے بھائی سے بیان کیا تو انھوں نے کہا:

صدقک مجاشع۔

آپ سے مجاشع نے صحیح کہا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتبِ احادیث میں وہ روایات موجود ہیں جو حضرت مجاشع رضؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیں۔

حضرت مجاشع نے موجودہ افغانستان کے دارالحکومت کابل میں اسلامی فوج کے ایک دستے کی کمان کرتے ہوئے مخالفینِ اسلام سے جہاد کیا۔ مورخین کے نزدیک اس زمانے میں کابل کا شمار بلادِ ہند میں ہوتا تھا۔ حضرت مجاشع کابل کے بت کدے میں داخل ہوئے تو ایک بڑے سے بت کو ہاتھ میں پکڑا اور وہاں موجود لوگوں سے فرمایا: میں نے اس لیے اسے ہاتھ میں پکڑا ہے کہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ:

انہ لا یضر ولا ینفع

نہ یہ کسی کو تکلیف پہنچا سکتا ہے، نہ فائدہ۔!

حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں پاکستان کے صوبے بلوچستان میں مخالفینِ اسلام سے جنگ کی اور اس سے ملحقہ علاقے سجستان پر علمِ فتح لہرایا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے برصغیر کے ان علاقوں میں سکونت اختیار کر لی تھی اور انھیں اپنا وطن قرار دے لیا تھا۔ مختلف آبادیوں میں آمدورفت کے لیے وہاں راستے بنائے، زمینیں آباد کیں، کنوئیں کھودے اور کھیتی باڑی کا سلسلہ شروع کیا۔ سرائیں تعمیر کیں اور مسافروں کے لیے رہائشی سہولتیں بہم پہنچانے کا انتظام کیا۔[۱۶]

۱۷۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ قرشی رضؓ

جن حضرات نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کیا، ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ قرشی رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی شامل ہے۔ ایک روایت کے مطابق قبولِ اسلام سے قبل ان کا نام ابن کعبہ تھا اور دوسری روایت کی رو سے اُنھیں عبدِ کلال کہا جاتا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ منقول ہے کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد یہ آنحضرت کے ساتھ جنگِ تبوک میں شریک ہوئے۔

عبدالرحمٰن کی کنیت ابوسعید تھی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوسعید عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیّ القرشی العبشمی -!

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ کو آنحضرت سے احادیث کی سماعت و روایت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ خود ان سے متعدد مشہور تابعین نے حصولِ علم کیا، ان میں حسن بصری، محمد بن سیرین، عمّار بن ابی عمّار اور سعید بن مسیّب کے اسمائے

---

[۱۶] اسد الغابہ ج ۴ ص ۳ — طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۰ — الاصابہ ج ۳ ص ۲۴۳۔ الاستیعاب ج ۳ ص ۴۹۳، ۴۹۴ –

گرامی لائق تذکرہ ہیں۔

عبدالرحمٰن بن سمرہ نے فتوحاتِ عراق اور فارس کی بعض جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۲۳ ہجری میں انھیں سجستان کا والی مقرر کیا گیا اور شہادتِ عثمان تک اس منصب پر فائز رہے۔ کابل اور خراسان کی جنگوں میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

ہندوستان کے سرحدی علاقوں پر حملے کیے اور رن کچھ کا علاقہ جو ہندوستان میں واقع ہے اور گجرات کاٹھیاواڑ اور راجستان کی سرحدوں کے درمیان پڑتا ہے، اس صحابیِ رسول نے بزورِ شمشیر فتح کیا۔ اس زمانے میں رن کچھ کے نواح میں ایک اور مقام تھا، جسے عرب مورخین "داور" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک اہم مقام تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے اسے فتح کر کے اسلامی مقبوضات میں شامل کیا۔

زندگی کے آخری دور میں حضرت عبدالرحمٰن نے بصرے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور باختلافِ روایت ۵۰ یا ۵۱ ہجری کو وہیں فوت ہوئے۔[۱]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ پانچ صحابی ہیں جو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں برصغیر پاک و ہند میں بغرضِ جہاد تشریف لائے اور جن کی مساعیِ جمیلہ سے یہ علاقہ روشناسِ اسلام ہوا۔

---

[۱] فتوح البلدان ص ۴۸۸ – الاستیعاب ج ۲ ص ۱۶۴ – کتاب المعارف ص ۱۳۲ – الاصابہ ج ۲ ص ۳۹۳ – اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۹۷، ۲۹۸ –

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ذی الحجہ ۳۵ ہجری میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت کو زینت بخشی۔ وہ چوتھے خلیفۂ راشد ہیں۔ ان کی مدتِ خلافت چار برس نو مہینے بنتی ہے۔ ۱۷۔ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو شہید ہوئے۔

حضرت علی کے زمانے میں جیوشِ اسلامی بالائے مکران سے ہوتے ہوئے سندھ میں داخل ہوئے اور پھر وہاں سے چل کر قیقان پہنچے اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ فتح کیا۔ قیقان، کیکان کا معرّب ہے اور یہ وہی علاقہ ہے، جسے اب قلات کہا جاتا ہے اور پاکستان کا حصہ ہے۔ قلات سے عساکرِ اسلامی نے ارضِ ہند کی طرف حرکت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ یہ ۳۸ ہجری کے آخر اور ۳۹ ہجری کے اوائل کا واقعہ ہے۔

قلات کے علاقے میں یہ جنگیں حارث بن مُرّہ عبدی کی قیادت میں لڑی گئی تھیں، جو ایک روایت کے مطابق تابعی اور ایک روایت کی رو سے مدرک صحابی تھے، جنھوں نے رسولِ اکرم کا زمانہ پایا۔ اگر انھیں مدرک صحابی مان لیا جائے تو پھر وارد برصغیر ہونے والے اُن صحابہ کرام کی تعداد، جن کے اسمائے گرامی کا ہمیں علم ہو سکا ہے، چھبیس ہو جاتی ہے۔

اہلِ قلات نے بیس ہزار فوج کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا، لیکن ناکام رہے اور مسلمانوں کے زبردست حملے کی تاب نہ لا کر پہاڑوں کی گھاٹیوں اور غاروں میں جا چھپے۔

بعد ازاں قلات کی منتشر فوج پھر جمع ہوئی اور مسلمان فوج کی نقل و حرکت کے راستے بند کر کے ان کو ہر طرف سے گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ لیکن جب اسلامی فوج کو ان کے اس خطرناک منصوبے کا علم ہوا تو انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس زور سے حملہ کیا کہ اہلِ قلات میں سے زیادہ تر لوگ خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور میدان چھوڑ گئے اور بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ اس ضمن میں العقد الثمین کے الفاظ قابل ذکر ہیں۔

وقطعوا الطریق علی المسلمین، فلما رای المسلمون کبروا اللہ حتی سمع صداھم جنوباً وشمالاً وخاف عنہ اھل القیقان وھربوا واسلم بعضھم۔

یعنی جب مسلمانوں نے دیکھا کہ قلات کی فوجیں ان کی آمد و رفت کے راستے تنگ کر رہی ہیں تو انھوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ ان کی آواز علاقے کے جنوب و شمال میں گونج اٹھی، جس سے ڈر کر باشندگانِ قلات بھاگ کھڑے ہوئے اور ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے۔

یہ پہلا نعرۂ تکبیر تھا جو نواحِ قلات میں بلند ہوا اور جس سے دشمنانِ اسلام کے دل دہل گئے اور وادیٔ قلات کے پہاڑ گونج اٹھے۔ انہی ایام میں مسلمانوں کو حضرت علی کی شہادت کی اطلاع ملی اور وہ واپس مکران چلے گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں تین صحابی داخل برصغیر ہوئے اور وہ تھے: حضرت خریت، حضرت عبداللہ اور حضرت کُلیب ابو وائل رضی اللہ عنہم۔ ان کے جو حالات میسر آئے درج ذیل سطور میں تحریر کیے جاتے ہیں۔

۱۸۔ حضرت خریت بن راشد ناجی سامی رضی اللہ عنہ

حضرت خریت بن راشد ناجی سامی رضی اللہ عنہ وفدِ بنی سامہ بن لوی کے ساتھ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفر کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ آنحضرت نے ارکانِ وفد سے چند باتیں سنیں اور پھر قوم قریش کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:۔ یہ تمھاری قوم کے لوگ ہیں، ان کے

ہاں قیام کرو اور انھیں اپنی میزبانی اور مہمان نوازی کا موقع دو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت خریت کو کچھ عرصے کے لیے فارس کے ایک علاقے کا والی مقرر کیا گیا تھا اور انھوں نے یہ خدمت بحسن و خوبی انجام دی تھی۔

۳۷ ہجری میں جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر فائز تھے، حضرت خریت واردِ مکران ہوئے۔ اس طرح ارضِ برصغیر کو ان کی قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی۔[۱۸]

۱۹۔ حضرت عبداللہ بن سُوَید تمیمی رضؓ

قبائل عرب میں قبیلۂ بنو تمیم ایک مشہور و ممتاز قبیلہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن سُوَید اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اور مُخَضرم صحابی تھے۔ یعنی انھوں نے زمانۂ جاہلیت بھی پایا اور عصرِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی دیکھا، لیکن کسی سبب سے آنحضرت کے فیضِ صحبت سے مستفیض نہ ہو سکے۔ البتہ قبولِ اسلام کی سعادت عہدِ رسالت ہی میں حاصل کر لی تھی۔

حضرت عبداللہ بن سُوَید تمیمی بہت اچھے شاعر اور ادیب تھے۔ علاقۂ سندھ کی ایک جنگ میں شریک ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے یہ دوسرے صحابی ہیں جو بغرضِ جہاد خطۂ سندھ میں تشریف لائے اور جن کے نام کا ہمیں علم ہو سکا ہے۔[۱۹]

---

[۱۸] الاصابہ ج ۲ ص ۲۲۴ ۔ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۱۰ ۔ الاستیعاب ج ۱ ص ۴۵۳ ۔ العقد الثمین ص ۔

[۱۹] کتاب المحبر ص ۱۵۴ ۔ الاصابہ ج ۳ ص ۹۲ و ج ۵ ص ۹۳

۲۰۔ حضرت کُلیب ابووائل رضؓ

حضرت کُلیب ابووائل رضی اللہ عنہ کے بارے میں صرف اسی قدر معلوم ہو سکا ہے کہ یہ برصغیر کے کسی علاقے میں آئے اور وہاں ایک درخت دیکھا، جس کے سُرخ رنگ کے ایک پھول پر سفید حروف میں محمد رسول اللہ کے الفاظ مرقوم تھے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ تین صحابی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں سرزمینِ برصغیر میں تشریف لائے۔[۲۰]

---

[۲۰] لسان المیزان ج ۴ ص ۴۹۰ ۔ عیون الاخبار ج ۲ ص ۱۰۵

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ حکومت آتا ہے۔ وہ بیس سال ملکِ شام کے والی اور گورنر رہے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ۴۰ ہجری میں زمام حکومت ہاتھ میں لی۔ ۲۲۔ رجب ۶۰ ہجری کو دمشق میں حضرت معاویہؓ کا انتقال ہوا۔ اس طرح وہ بیس برس گورنر اور بیس برس خلیفہ رہے۔ ان کا زمانۂ اقتدار چالیس برس پر محیط ہے۔ ان کے عہدِ خلافت میں چار صحابہ کرام خطۂ برصغیر میں آئے جو اس نواح کے مختلف علاقوں میں سرگرم جہاد رہے اور بعض مفتوحہ مقامات کی امارت ان کو تفویض ہوئی۔ ان کے جو حالات مل سکے ہیں اور ہمارے موضوع سے میل کھاتے ہیں، سطورِ ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں۔

۲۱۔ حضرت مُہلّب بن ابوصفرہ ازدی عتکیؓ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقعے پر حضرت مُہلّب بن ابوصفرہ بہت کم سن تھے اور ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق مدرک صحابی تھے۔ مہلب کی کنیت ابوسعید تھی اور ان کا نسب نامہ اس طرح ہے:

ابوسعید مہلب بن ابوصفرہ بن سراق بن صبح بن کندی بن عمرو بن عدی بن دائل بن حارث بن عتیک بن ازدی بن عمران ــــ !

حضرت مُہلّب کا تعلق قبیلہ بنو ازد سے تھا۔ منقول ہے کہ ابوصفرہ کے دس بیٹے تھے، ان میں سب سے کم عمر مُہلّب تھے۔ ایک مرتبہ ابوصفرہ اپنے دس بیٹوں کے

ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور سب سے چھوٹے کے بارے میں بتایا کہ اس کا نام مُہلّب ہے۔ حضرت عمر نے مہلب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

هٰذا سيّد ولدك ۔

یہ تیری اولاد کا سردار ہے۔

حضرت مہلب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے اعزازات سے نوازا۔ انھوں نے علم و فضل کے میدان میں بڑا نام پایا۔ انتظامی معاملات میں شہرت حاصل کی اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں ہمیشہ آگے آگے رہے۔ عرصۂ دراز تک خراسان کا منصبِ امارت ان کے سپرد رہا۔

عہدِ معاویہ رضؓ میں ۴۴ ہجری کو حضرت مہلب فوجی کی حیثیت سے حدودِ ہند میں داخل ہوئے اور پھر برصغیر کے بعض دور دراز علاقوں کو پامال کرتے چلے گئے اس اثنا میں سندھ کے ایک شہر قندابیل (گنداوا) میں دشمن کو شکست دی۔ پھر ملتان کا رُخ کیا اور برابر آگے بڑھتے گئے۔

اس عظیم مردِ مجاہد اور صحابیِ رسول نے ایران کے شہر مرو میں ۸۳ ہجری کو وفات پائی۔ [۲۱]

۲۲۔ حضرت عبداللہ بن سوّار عبدی رضؓ

حضرت عبداللہ بن سوّار عبدی کا تعلق بنی مُرّہ بن ہمّام سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرک صحابی تھے۔ حضرت عبداللہ کے والد سوّار بن ہمام عبدی رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل

---

[۲۱] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۲۹ ۔ کتاب المعارف ص ۱۷۵ ۔ الاصابہ ج ۳ ص ۵۰۶ ۔ جمہرۃ انساب العرب ۳۶۷

ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۳ ہجری میں چار ہزار فوج کے ساتھ حدودِ ہند کی طرف روانہ کیا اور وہ اس نواح میں مصروفِ جہاد ہوئے۔ سب سے پہلے رن کچھ کے علاقے کو ہدفِ توجہ ٹھہرایا اور مسلسل آگے بڑھتے چلے گئے۔ بعد ازاں دائرہ جہاد قلات کے میدانوں اور پہاڑوں تک پھیلا دیا۔

حضرت عبداللہ نہایت سخی اور فیاض تھے۔ ایک مرتبہ قلات کے ایک گاؤں میں انھوں نے دیکھا کہ ایک گھر سے دھواں اُٹھ رہا ہے۔ آدمی بھیجا تو معلوم ہوا کہ ایک بیمار عورت کے گھر میں کھانا تیار ہو رہا ہے۔ اسی وقت اشیائے خوردنی اس کے گھر بھجوائیں اور ایک شخص کو مریضہ کی عیادت کے لیے روانہ کیا۔

قلات کے حکمران نے اپنے علاقے کے بہت سے عجیب وغریب تحائف حضرت عبداللہ کی خدمت میں پیش کیے جو اُنھوں نے بحفاظتِ تمام دربارِ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھیج دیے تھے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نہایت صاحبِ تدبیر، فنونِ حرب کے ماہر، جرأت مند اور جنگ جو تھے۔ ۴۷ ہجری کو قلات میں ترک باشندوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا۔[۲۲]

۲۳۔ حضرت یاسر بن سوّار عبدی رضی اللہ عنہ

حضرت یاسر عبدی رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرک صحابی اور حضرت عبداللہ کے بھائی تھے۔ ان کے ہم رکاب ہو کر ہی دورِ معاویہ میں واردِ برصغیر ہوئے تھے۔ جن علاقوں میں برادرِ مکرم نے جنگ وجہاد کیا، وہاں اُنھوں نے گرم جوشی

---

[۲۲] کتاب المحبّر ص ۱۵۴، ۱۵۵ ـ تاریخ الطبری ج ۵ ص ۵۴۷ ـ الاصابہ ج ۳ ص ۹۲ ـ کتاب ابن سعد ج ۵ ص ۴۶ ـ چچ نامہ ص ۱۰۱

سے تیغ و سناں کے جوہر دکھلائے۔

نہایت عالی ہمت اور مضبوط دل گردے کے مالک تھے۔ ایک مرتبہ ارضِ ہند کے کسی مقام پر عرب کے قبیلہ عبدالقیس کے ایک شخص کے ساتھ جا رہے تھے کہ دشمن نے للکارا۔ دونوں نے وہیں قدم جما لیے اور دشمن سے پنجہ آزما ہو گئے۔ چند ثانیے گزرے تھے کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور اللہ نے ان کو فتح و نصرت سے نوازا۔[۲۳]

۲۴۔ حضرت سنان بن سلمہ ہُذلی رضؓ

حضرت سنان رضی اللہ عنہ کے والد کا اسم گرامی سلمہ اور دادا کا مُحبّق تھا۔ بعض اصحابِ حدیث کے نزدیک ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن، بعض کے نزدیک ابو جبیر اور بعض کے نزدیک ابو بِشر تھی اور انھیں ابو بشر بصری ہُذلی کہا جاتا تھا۔ عرب کے قبیلے بنو ہُذیل سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت سنان بیان کرتے ہیں کہ وہ جس دن پیدا ہوئے، اس دن مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ ابنِ حبّان کا کہنا ہے کہ وہ جنگِ حنین کا دن تھا۔ جنگِ حنین ۸ ہجری کو ہوئی تھی۔ خود سنان فرماتے ہیں کہ میرا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا۔

سنان عمر کے اعتبار سے صغار صحابہ میں سے تھے۔ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اپنے والد مکرم حضرت سلمہ سے، حضرت عمر بن خطاب سے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایتِ حدیث کی۔ خود ان سے قتادہ، حبیب بن عبداللہ ازدی، سلمہ بن جنادہ ہُذلی اور بعض دیگر حضرات نے سماع و روایت کا شرف حاصل کیا۔

---

[۲۳] چچ نامہ ص ۱۰۸ — العقد الثمین ص ۱۰۲

ابن حبان نے ان کو صحابہ کرام کی برگزیدہ جماعت میں گردانا ہے۔ ابن ابی حاتم کا قول ہے کہ سنان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسل روایت کی ہے، یعنی درمیان میں اس صحابی کا نام چھوڑ دیا ہے، جن سے انھوں نے روایت کی۔

ابوزرعہ سے سوال کیا گیا کہ سنان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف صحبت حاصل ہے۔؟

انھوں نے جواب دیا: لا ولکن ولد فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

یعنی انھیں آنحضرت کی صحبت کا شرف تو حاصل نہیں، لیکن ان کی ولادت آنحضرت کے عہدِ مبارک میں ہوئی۔

عجلی نے ان کو تابعی کہا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن سعد کے نزدیک وہ اہلِ بصرہ میں سے طبقۂ اولیٰ کے تابعی تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ کے عہدِ خلافت میں زیاد بن ابوسفیان نے ۵۰ ہجری میں ان کو جنگ کے لیے فوج کا امیر بنا کر ہندوستان بھیجا۔

حضرت سنان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواب میں ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا: تمھارے والد کو تمھاری شجاعت و جرأت پر فخر تھا۔ اب تمھاری کامیابی اور فتح مندی کا زمانہ آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں بہت سے شہروں کو فتح کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا اور تمھاری وجہ سے وہاں اصلاح کے مواقع پیدا ہوں گے۔

یہ خواب انھوں نے ۴۲ ہجری میں دیکھا تھا۔ اس زمانے میں مکران کے والی و امیر راشد بن عمرو الجدیدی تھے۔ اسی سال ان کی شہادت کی اطلاع پہنچی تو حضرت معاویہ کے حکم سے سنان کو وہاں کی امارت تفویض کی گئی۔ انھوں نے اس علاقے میں فتوحات کا دائرہ خاصی دور تک پھیلا دیا تھا۔

حضرت سنان نہایت شجاع و جری، عالم و فاضل اور منتظم و باتدبیر صحابی تھے۔ انھوں نے حجاج بن یوسف کے دورِ آخر میں ۹۴ یا ۹۵ ہجری کو وفات پائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ چار صحابہ کرام ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں مخالفینِ اسلام سے جہاد کی غرض سے برصغیر پاک و ہند کے مختلف مقامات میں آئے ہیں[۲۴]

---

[۲۴] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۴۱، ۲۴۲ ـــ البدایہ والنہایہ ج ص العقد الثمین ص ۱۰۶ ـــ چچ نامہ ص ۱۰۵

یزید کے زمانۂ حکومت میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے یزید نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ یزید نے تین سال آٹھ مہینے حکومت کی اور ۱۰ ربیع الاوّل ۶۴ ہجری کو وفات پائی۔ ان کے زمانے میں ایک صحابی برصغیر میں آئے اور وہ تھے منذر بن الجارود عبدی ! ان کے حالات مندرجہ ذیل سطور میں ملاحظہ فرمایئے۔

۲۵۔ حضرت منذر بن جارود عبدی رضؓ

حضرت منذر بن الجارود عبدی رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے صاحبِ ثروت اور پیکرِ جود و سخا تھے۔ لوگوں کی ہمدردی و بھلائی کرنا اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونا ان کی فطرت میں داخل تھا۔

حضرت منذر کی کنیت ابوالاشعث تھی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوالاشعث منذر بن جارود بن عمرو بن حنش بن المعلی بن زید بن حارثہ بن معاویہ بن ثعلبہ بن جذیمہ بن عوف بن بکر بن عوف بن انمار العبدی ۔ !

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں منذر کو اصطخر کا والی مقرر کیا تھا۔ حضرت علی رضؓ کی طرف سے جنگِ جمل میں شریک ہوئے اور حضرت معاویہ کی مخالفت کی۔

یزید بن معاویہ کے دورِ حکومت میں عبیداللہ بن زیاد کے کہنے سے ۶۰ ہجری میں

حضرت منذر کو سرحداتِ ہند کی طرف روانہ کیا گیا۔ بوقان، قلات اور خضدار کی جنگوں میں انھوں نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ایک روایت کے مطابق ۶۲ ہجری میں سندھ کے مفتوحہ علاقے کی امارت اور گورنری کا منصب ان کے سپرد رہا۔ اسی اثنا میں باختلافِ روایت سندھ یا قلات میں ان کی وفات ہوئی۔ وفات کے وقت اس صحابیِ رسول کی عمر ساٹھ برس تھی۔[۲۵]

---

[۲۵] فتوح البلدان ص ۴۶۱ و ۴۲۳ ۔۔۔ الاصابہ ج ۳ ص ۴۵۸ ۔۔۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۶۱ ۔۔۔ چچ نامہ ص ۱۱۰

تابعین

تعداد ــــــــــ ۴۲

اللہ نے برصغیر پاک وہند کے باشندوں کو یہ توفیق مرحمت فرمائی ہے کہ یہ قولِ حق کے اخذ و قبول کی صلاحیتوں سے پوری طرح بہرہ ور ہیں ۔ یہ وہ خطۂ ارض ہے جو مرکزِ اسلام سے بہت دُور ہونے کے باوجود آغازِ اسلام ہی میں اس سے آشنا ہو گیا تھا اور اس کی صدائے بابرکت اس وسیع ملک کی فضائے بسیط میں گونجنے لگی تھی ۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، برصغیر پاک و ہند میں صحابہ کرام بھی تشریف لائے، تابعین بھی آئے اور تبع تابعین بھی ۔

یہ حاملینِ تہذیبِ اسلامی کا پہلا قافلہ اور اصحاب الحدیث کا اوّلین کارواں تھا جو واردِ ہند ہوا ۔ ان حضرات کا اصل مقصد اہلِ ہند کو ان پاکیزہ اخلاق و کردار، صاف ستھری تہذیب و ثقافت اور تعلیم و شائستگی کی ان بلند ترین اقدار سے فیض یاب کرنا تھا جن کو اسلام میں بنیادی اور اساسی حیثیت حاصل ہے ۔

سندھ و ہند کے مختلف علاقوں اور بعض بلاد و امصار پر ابتدا ہی میں غرب مجاہدین کے باقاعدہ حملے شروع ہو گئے تھے اور ان حملوں کے نتیجے میں اس ملک کے متعدد علاقے مسلمانوں کے زیرِ نگیں آگئے تھے ۔ لیکن سندھ پر فیصلہ کن حملہ اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں ۹۳ ہجری میں محمد بن قاسم کے زیرِ کمان ہوا ، جب کہ پورا سندھ فتح کر لیا گیا اور دور دراز علاقوں میں اسلام کے جھنڈے گاڑ دیے گئے ۔

گزشتہ سطور میں بتایا جا چکا ہے کہ محمد بن قاسم سے پہلے اس برصغیر کے کون کون سے علاقے عربوں کی تگ و تاز سے فتح ہوئے اور اس سے باشندگانِ ہند اور خود عربوں پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ یہ خطّہ بہت سے تابعین کرام یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ عظام کے تلامذہ کا مسکن رہا ہے۔ ان تابعین کرام میں وہ حضرات بھی تھے جو مختلف اوقات میں جہاد کے لیے یہاں آئے اور وہ بھی تھے جو تبلیغ واشاعتِ دین کی غرض سے اس خطے میں وارد ہوئے۔ بعض ایسے حضرات بھی تھے جو اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے اور یہیں رہے۔ ان حضرات نے حدیث وسنّت کی نشر و ترویج کو اپنا مطمحِ نظر ٹھہرائے رکھا۔ بعض کسی دوسرے ملک میں تشریف لے گئے اور وہاں قال اللہ و قال الرسول کی دلنواز صدائیں بلند کرنے میں زندگیاں وقف کر دیں۔

یہاں برصغیر کے ان خوش بخت تابعین کے مختصر حالات، ان کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور اشاعتِ قرآن و حدیث کے لیے ان کی جد و جہد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ ابنِ اُسَید بن اخنس رحؒ

ابن اُسَید تابعی تھے یعنی اُنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام کی صحبت و تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ یہ عرب کے نامور قبیلے بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابن اسید بن اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب بن علاج بن ابو مسلمہ بن عبدالعزیٰ بن عوف بن ثقیف۔ ان کے والد اُسَید کے ایک اور بھائی مغیرہ بن اخنس تھے جو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے اور اُنھوں نے اسی دن درجۂ شہادت پایا تھا جس دن کہ حضرت عثمان شہید ہوئے تھے۔ ان کے دادا اخنس کا شمار مکہ معظمہ کے اصحابِ احترام اور معززین میں ہوتا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقائے خاص میں سے تھے۔ جنگِ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

ساتھی اور حامی تھے۔ ۴۱ ہجری میں فوت ہوئے۔
ابنِ اُسَید کے والد حضرت اُسید بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔

ابنِ اسید تابعی تھے اور خلیفہ عبدالملک بن مروان (وفات ۱۵ شوال ۸۵ھ) نے ان کو سندھ کا والی مقرر کیا تھا اور یہ ایک عرصے تک علاقہ سندھ میں مقیم رہے۔ اس اثنا میں سندھ میں ان کا سلسلۂ تدریسِ حدیث بھی جاری رہا۔[۱]
عبدالملک ۷۶ ہجری میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوا اور ۱۵ شوال ۸۵ ہجری کو اس نے وفات پائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے سندھ پر حملے (۹۳ ہجری) سے پہلے ہی سندھ کا خاصا علاقہ فتح ہو چکا تھا اور صحابہ و تابعین کی نہ صرف وہاں آمد و رفت شروع ہو گئی تھی بلکہ عمال و اُمرا کا بھی تقرر ہونے لگا تھا۔

۲۔ ابو شیبہ جوہری

ابو شیبہ جوہری کا نام یوسف تھا، والد کا اسمِ گرامی ابراہیم تھا۔ قبیلۂ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ ابو شیبہ ان کی کنیت تھی۔ تابعی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی اور باقاعدہ ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل رہے۔ خود حضرت ابو شیبہ جوہری نے بھی مسندِ درسِ حدیث آراستہ کی اور عقبہ بن خالد، ابو قتیبہ، عبدالحمید الحمانی، اسماعیل بن عبدالاعلیٰ العنزی، قاضی رے علا بن حصین اور علی بن یزید صدائی الکفانی نے ان سے روایت کی اور ان کے دائرۂ شاگردی میں داخل ہوئے۔

---

[۱] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۶۸ — المحبر ص ۱۰۵ و ۲۸۸ — اسد الغابہ ج ۱ ص ۸۴ — الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۲۱ و ۲۹ — العقد الثمین ص ۱۲۵ — البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۴۶

فنِ حدیث کے ماہرین اور علمِ رجال میں دسترس رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ علمِ حدیث میں ان کا مرتبہ عالی نہ تھا اور ان کی اصطلاح میں یہ ضعیف الحدیث تھے۔

یہ وہ لائقِ احترام تابعی ہیں جو علمِ حدیث کے درس و تدریس کا بھی اہتمام کرتے تھے اور جنگ و جہاد میں بھی پیش پیش رہے تھے۔ یہ محمد بن قاسم کے لشکر کے ساتھ واردِ سندھ ہوئے اور جہاد میں حصّہ لیا۔

یہ بہت اچھے منتظم بھی تھے۔ چنانچہ دیبل اور نیرون کی فتح کے بعد ان کو ان شہروں اور ان کے گرد و نواح کا والی اور امیر مقرر کر دیا گیا تھا۔ یہ خدمت اُنھوں نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ انجام دی۔ علاوہ ازیں اپنے زیرِ انتظام علاقوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کے حلقے قائم کیے۔ خود اپنا حلقۂ درسِ حدیث بھی قائم کیا۔ [۲]

۳۔ ثاغر بن ذعرؒ

ثاغر بن ذعر پہلی صدی ہجری کے نامور بزرگ ہیں اور تابعین کی پاک باز جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ پتا نہیں چل سکا کہ اُنھوں نے کن کن صحابہ کرام سے سماعِ حدیث اور اخذِ روایت کا شرف حاصل کیا۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ ان کو خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر کا امیر بنا کر علاقۂ سندھ میں بھیجا اور وہاں اُنھوں نے بہترین خدمات انجام دیں۔

تاریخ اس بات کی وضاحت نہیں کرتی کہ ثاغر بن ذعر رحمۃ اللہ علیہ اصلاً کہاں کے رہنے والے تھے اور کس خطۂ زمین سے ان کا تعلق تھا۔ صرف اتنی بات کی نقاب کشائی ہوتی ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں انہی کے حکم

---

[۲] لسان المیزان ج ۶ ص ۶۹

سے عازم سندھ ہوئے اور وہاں کے مخالفین اسلام اور کفار سے مصروف جنگ و پیکار رہے ۔ یہاں یہ یاد رہے کہ حضرت علی ذی الحجہ ۳۵ ہجری میں خلیفۃ المسلمین مقرر کیے گئے تھے اور ۷ ار رمضان المبارک ۴۰ ہجری میں ان کو شہید کر دیا گیا تھا ۔ انھوں نے کل چار سال نو مہینے فرائض خلافت انجام دیے ۔ ظاہر ہے حضرت علی نے اپنے دورِ خلافت ہی میں انھیں سندھ کے جیشِ اسلامی کا امیر مقرر کیا تھا ۔[۵۳]

۴ ۔ حاتم بن قبیصہ رح

حاتم بن قبیصہ بن مُہلّب بن ابو صفرہ ازدی عتکی ۔ حاتم خالص عرب تھے اور قبیلۂ بنو ازد سے تعلق رکھتے تھے ۔ حاتم کے دو بیٹے تھے جو علم و فضل سے آراستہ اور حدیث و فقہ کے ماہر تھے ۔ ایک کا نام یزید اور ایک کا روح تھا ۔ روح افریقہ کے امیر مقرر کیے گئے اور یزید سندھ کے ۔ یزید کے ایک بیٹے کا نام مغیرہ تھا جو سندھ کے گورنر ہوئے اور وہیں انھیں قتل کر دیا گیا تھا ۔ یزید کا ایک بیٹا داؤد تھا ، اس کو پہلے افریقہ کا گورنر بنایا گیا ، بعد میں سندھ کا ۔ یزید کے پوتے ابراہیم بھی کم و بیش بیس سال سندھ ، مکران اور کرمان کی مسندِ گورنری پر فائز رہے ۔

حاتم ایک عرصے تک سندھ میں مصروفِ جہاد رہے ۔ انھوں نے سندھ میں درسِ حدیث کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور بے شمار لوگوں نے ان سے استفادہ کیا اور حدیث روایت کی ۔ حاتم بن قبیصہ معروف تابعی تھے اور سندھ میں بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے ۔

حاتم بن قبیصہ نے سندھ کے علاوہ عبداللہ بن سوّار عبدی کی معیت میں

---

[۵۳] چچ نامہ ص ۹۹

قلات کی دوسری لڑائی میں بھی شرکت کی۔[۴]

۵ - حکم بن منذر عبدی رح

حکم کی کنیت ابوغیلان تھی۔ مختصر شجرۂ نسب یہ ہے: ابوغیلان حکم بن منذر بن جارود عبدی۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ دورِ خیرالقرون کے عالی مرتبت بزرگ تھے۔ شجاعت اور بہادری میں بہت مشہور تھے۔ سندھ اور اس کے گرد و نواح میں جہاد کے لیے آئے اور وہیں وفات پائی۔ حرمازی نے ان کے لیے کہا تھا:

یا حکم بن المنذر بن الجارود — انت الجواد و الجواد مجود

سرادق المجد علیک ممدود — نبت فی الجود و فی بیت الجود

حکم بن منذر بہت سخی اور ہمدردِ خلائق تھے۔ افسوس ہے ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ یہ حقیقت ہے کہ یہ سرزمین سندھ میں آئے اور مخالفین اسلام سے جہاد کیا اور پھر اسی خطۂ ارض میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے، رحمۃ اللہ علیہ۔[۵]

۶ - راشد بن عمرو الجُدَیدی ازدی

راشد بن عمرو بن قیس ازدی قبیلۂ بنو ازد کے عالی ہمت بزرگ تھے اور تابعین کی مقدس جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ راشد کے والد کا اسمِ گرامی عمرو تھا۔ خلیفۂ ثانی حضرتِ عمر فاروق نے عمرو کو عراق میں قیام کے لیے ایک مکان عطا کیا تھا۔

---

[۴] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۷۰ — وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۳۴

[۵] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۹۶ — المعارف ص ۲۵۶ — العقد الثمین ص ۱۱۲، ۱۱۳ — چچ نامہ ص ۱۱۱

اس مکان کو "لولعتہ عمرو" کہا جاتا تھا۔

راشد بن عمرو نے حضرت عثمان بن عفان کے عہدِ خلافت (۲۳ہجری) میں ہرموز فتح کیا۔ حضرت عثمان ہی کے دورِ خلافت میں راشد بن عمرو نے قلات اور المید کی جنگوں میں شرکت کی اور کامیابی سے سرفراز ہوئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی انتظامی صلاحیتوں اور ہمت و دلیری کے بہت مداح تھے، یہی وجہ ہے کہ ۴۲ ہجری میں ان کو سندھ اور اس کے اطراف کا امیر مقرر کر دیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے عرب کی سکونت ترک کر دی تھی اور سندھ میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ انھوں نے سندھ میں متعدد جنگی کارنامے انجام دیے۔ جہاد میں شرکت کے علاوہ یہ لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم سے بھی بہرہ ور کرتے تھے۔

ان گوناگوں اوصاف کے حامل تابعی نے سندھ کی کسی لڑائی میں جامِ شہادت نوش کیا۔[۵۶]

۷۔ زائدہ بن عمیر طائی کوفیؒ

ابن سعد نے زائدہ بن عمیر طائیؒ کو کوفہ کے طبقۂ ثالثہ کے تابعین میں شمار کیا ہے۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو، جابر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم ایسے جلیل القدر صحابہ سے روایتِ حدیث کی۔ فتح سندھ کے وقت یہ محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ محمد بن قاسم نے جب ایک لمبا چکر کاٹ کر دریائے بیاس عبور کیا اور ملتان کی طرف بڑھنے لگے تو اس وقت زائدہ بن عمیر اس کی فوج میں شامل تھے۔ جوں ہی کفار نے شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی، مسلمانوں نے محمد بن قاسم کی قیادت میں پیش قدمی

---

[۵۶] الاصابہ ج ۲ ص ۹۳۔ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۶۔ المحبر ص ۱۵۴ و ۱۵۵

کر کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس طرح ملتان کا شہر بغیر کسی بڑی جدوجہد کے مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ [۵۴]

۸ - زیاد بن حواری عمی رح

ان کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض زیاد بن حواری عمی کہتے ہیں، بعض زید بن حواری عبدی تحریر کرتے ہیں اور بعض حواری بن زیاد لکھتے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے زید بن حواری لکھا ہے۔ یہ تابعی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اکابر صحابہ کے شاگرد تھے۔ جہادِ سندھ کے موقع پر یہ محمد بن قاسم کے ساتھی اور اس کے بے حد قابلِ اعتماد فوجی تھے۔ فاتح سندھ محمد بن قاسم نے جن لوگوں کے ہاتھ راجہ داہر کا سر کاٹ کر عراق بھیجا تھا، یہ ان میں شامل تھے۔ ان کے علم و فضل اور مہارتِ حدیث کی وجہ سے عساکرِ اسلامی کا ہر شخص ان کا احترام کرتا تھا۔

زیاد بن حواری نے بہت سے اکابر صحابہ سے روایتِ حدیث کی اور ان کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوئے، ان صحابہ میں حضرت انس بن مالک، معاویہ بن قرّہ، عبداللہ بن عمر اور حضرت حسن کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں، رضی اللہ عنہم۔

پھر خود زیاد بن حواری نے بھی سلسلۂ درس حدیث قائم کیا۔ اعمش، سبیعی، عبدالملک بن عمیر، ایوب بن موسی، محمد بن فضیل بن عطیہ اور سلام الطویل وغیرہ بزرگوں نے ان کی شاگردی اختیار کی اور ان سے علمِ حدیث حاصل کیا۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں گردانا ہے۔ [۵۵]

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ علاقۂ سندھ میں یہ کتنا عرصہ مقیم رہے۔

---

[۵۴] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۱۳ ۔ فتوح البلدان ص ۴۲۷ ۔

[۵۵] لسان المیزان ج ۲ ص ۳۶۹ ۔ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۰۷ ۔

چچ نامہ ص ۱۶۱

۹ - ابوقیس زیاد بن رباح قیسی بصری

ابوقیس زیاد بن رباح تابعی تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت ابوہریرہ سے انھوں نے جو احادیث روایت کیں، ان میں ایک حدیث یہ ہے:

من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات میتة جاہلیة -

جو شخص دائرۂ اطاعت سے باہر نکلا اور جماعت سے الگ ہوا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ان کو ابن ریاح بھی کہا جاتا ہے اور ابورباح بھی۔ ان سے غیلان بن جریر اور حسن بصری نے روایت حدیث کی اور ان کے شاگردوں میں شامل ہونے کا اعزاز پایا۔

عجلی ان کو ثقہ گردانتے ہیں۔ ابن حبان نے ان کا شمار ثقات میں کیا ہے۔ ان کی روایت سے صحیح مسلم میں بھی حدیث منقول ہے۔

ابوقیس کو یہ فخر حاصل ہے کہ محمد بن قاسم کے ساتھ جہاد کی غرض سے سندھ آئے۔ علی بن حامد نے چچ نامے میں لکھا ہے کہ محمد بن قاسم نے جس جماعت کو راجہ داہر کا سر دے کر عراق بھیجا تھا، ابوقیس اس جماعت کے امیر تھے۔ اس جماعت میں ابوقیس کے علاوہ ذکوان بن علوان البکری، یزید بن مجالد ہمدانی اور زیاد بن حواری عبدی شامل تھے۔ انھوں نے عراق جاکر ہندوستان کے بادشاہوں اور حکمرانوں کے بہت سے واقعات بیان کیے۔[۹]

ابوقیس کا شمار ان تابعین میں ہوتا ہے جنھوں نے قرآن و حدیث کی تدریس و تعلیم کے لیے بھی تگ و دو کی اور بہت سے حضرات کو علم کی روشنی سے منور

---

۹ کتاب الکنیٰ والاسماء ج ۲ ص ۸۸، ۸۹ - تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۶۶، ۳۶۷
چچ نامہ ۱۶۱

کیا، جہاد فی سبیل اللہ کے لیے بھی میدان میں اترے اور تبلیغ دین کے لیے پوری کوشش کی، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۰۔ حکم بن عوانہ کلبی رح

حکم بن عوانہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: حکم بن عوانہ بن عیاض بن وزر بن عبدالحارث بن ابی حصین بن ثعلبہ بن جبیری بن مُسلمہ بن عامر بن وُدّ بن عوف بن کنانہ بن عوف بن عذرہ بن زیداللات۔ حکم بنی کلب وبرہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حکم بن عوانہ تابعی تھے اور سیاسی وانتظامی معاملات میں بہت ماہر تھے۔ دومرتبہ سندھ آئے۔ پہلی مرتبہ محمد بن قاسم کے ساتھ ایک مجاہد کی حیثیت سے ساحلِ سندھ پر قدم رکھا، عساکرِ اسلامی کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کی اور کامیاب ہوئے۔ اس دور میں کافی مدت یہاں قیام کیا اور باشندگانِ سندھ کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہے۔ دوسری مرتبہ ہشام بن عبدالملک (حکومت ۲۵ شوال ۱۰۵ ہجری تا ۶ ربیع الثانی ۱۲۵ ہجری) کے عہدِ حکومت میں آئے جب کہ تمیم بن زید کے بعد انھیں سندھ کا امیر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اپنے زمانۂ امارت میں انھوں نے سندھ کے مختلف علاقوں اور شہروں میں جہاد کیا اور کامیاب رہے۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ محمد بن قاسم نے سندھ کے جن علاقوں کو فتح کیا، ان کے غیر مسلم باشندوں کو پوری مذہبی آزادی عطا کی۔ ان کے طریقِ عبادت، علاقائی رسوم ورواج اور مذہبی معاملات میں نہ صرف یہ کہ دخل نہیں دیا بلکہ ان کو انجام دینے کی کُھلی چھٹی عطا کی۔ اس ضمن میں چچ نامہ کا مصنف علی بن حامد لکھتا ہے کہ جب محمد بن قاسم نے سندھ کے بعض شہر فتح کیے تو حجاج بن یوسف کو خط لکھ کر دریافت کیا کہ برہمن آباد اور دیگر مفتوحہ علاقوں کے بارے میں کیا قدم اٹھایا جائے؟ جب جواب میں حجاج کا خط آیا تو محمد بن قاسم خط

پڑھ کر شہر سے باہر نکل گئے اور کھلی جگہ میں برہمن آباد کے بڑے بڑے برہمنوں اور دیگر لوگوں کو بلایا اور سب کے سامنے اعلان کیا کہ:

"اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرو، انھیں آباد رکھو، اپنے مذہب کے مطابق بتوں کی پوجا کرو، خرید و فروخت میں مسلمانوں سے معاملہ قائم کرو، اپنی اخلاق اصلاح کرو، غریب اور نادار برہمنوں کی مالی امداد کرو، اپنے قومی اور مذہبی تہوار اسی طریقے سے مناؤ جس طریقے سے تمھارے آبا و اجداد مناتے آئے ہیں، اپنے برہمنوں کو اسی طرح نذر و نیاز دو جس طرح کہ پہلے سے دیتے آئے ہو، اپنے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کی بات غور سے سنو اور پھر اس پہ عمل کرو۔ اب جاؤ، تمھیں امان ہے۔" شلہ

محمد بن قاسم نے یہ باتیں دو ترجمانوں کی وساطت سے کیں۔ یہ ترجمان تھے تمیم بن زید القینی اور حکم بن عوانہ کلبی۔

اس گفتگو کے بعد محمد بن قاسم اور سندھ کے ان لوگوں کے درمیان باقاعدہ مصالحت ہو گئی اور معاہدۂ امن طے پا گیا۔

ہشام بن عبدالملک سے پہلے عالم اسلامی کا خلیفہ یزید بن عبدالملک تھا اور اس زمانے میں خراسان کے امیر حکم بن عوانہ تھے۔ ہشام نے ان کی انتظامی اور علمی و سیاسی صلاحیتوں سے متاثر ہو کر انھیں سندھ کا امیر اور گورنر مقرر کر دیا تھا۔

سندھ میں انھوں نے بہت خدمات انجام دیں۔ سندھ کے دو شہر محفوظہ اور منصورہ انہی کے عہدِ امارت اور انہی کی کوششوں سے معرضِ تعمیر میں آئے۔ یہ دونوں شہر فوجی اور جغرافیائی اعتبار سے نہایت اہم تھے۔

حکم بن عوانہ ہر لحاظ سے بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ انتظامی امور کی انجام دہی

شلہ: چچ نامہ ص ۲۹۹ — العقد الثمین ص ۱۵۵، ۱۵۶۔

کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و ثقافت کی ترویج کے لیے انھوں نے بہت جدوجہد کی، قرآن و حدیث کی تبلیغ و اشاعت ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

حکم بن عوانہ نے ۱۲۲ ہجری میں سندھ میں شہادت پائی[۱۱]

۱۱۔ معاویہ بن قرۃ مزنی بصری رح

معاویہ کی کنیت ابوایاس تھی۔ شجرۂ نسب یہ ہے: ابوایاس معاویہ بن قرّہ بن ایاس بن ہلال بن رباب بن عبید بن سوارۃ بن ساریہ بن ذبیان بن ثعلبہ بن سلیم بن اوس بن عمرو بن اد۔ معاویہ تابعی تھے اور ان کے والد قرّہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے اور کسی جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔ قبیلۂ بنو مزن میں سے تھے اور بصرہ میں سکونت پذیر تھے۔ ثقہ راوی حدیث تھے، ان کی سند سے کچھ احادیث بھی مروی ہیں۔

معاویہ کے والد حضرت قرّۃ رضی اللہ عنہ سے ایک دن کسی نے پوچھا:

کیف ابنك لك؟ قال نعم الابن کفانی امر دنیای وفرغنی لاٰخرتی۔[۱۲]

آپ کا بیٹا (معاویہ) آپ کے بارے میں کیسا ہے؟ بولے، میرا بیٹا میرے بارے میں بہت اچھا ہے، مجھے اس نے میرے دنیاوی کاموں سے بچا لیا ہے اور توشۂ آخرت جمع کرنے کے لیے فارغ کر دیا ہے۔

ایک مرتبہ حجاج بن یوسف بعض اہم شخصیتوں کا ایک وفد بنا کر اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں گیا، اس وفد میں معاویہ بن قرہ بھی شامل تھے۔

---

[۱۱] جمہرۃ انساب العرب ص ۲۵۹ ـ فتوح البلدان ص ۱۳۰ ـ لسان المیزان ج ۴ ص ۲۶۸ ـ الکامل فی التاریخ ج ۴ ص ۲۲۴

[۱۲] عقد الثمین ص ۱۳۰

عبدالملک نے معاویہ بن قرہ سے حجاج کے متعلق پوچھا کہ یہ کیسا آدمی ہے؟ معاویہ نے حجاج کی موجودگی میں نہایت شان دار جواب دیا۔ فرمایا:

ان صدقناکم قتلتمونا وان کذبناکم خشینا اللہ عزوجل [۱۳]

اگر ہم آپ کے سامنے سچ بولتے ہیں تو آپ ہمیں قتل کر دیں گے اور اگر جھوٹ بولتے ہیں تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔

حجاج نے یہ الفاظ سنے تو معاویہ کی طرف غضب ناک نگاہوں سے دیکھا، لیکن عبدالملک نے حجاج سے کہا کہ انھیں کچھ نہ کہو۔ اس کے فوراً بعد عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف نے ان کو سندھ بھیج دیا۔ وہاں انھوں نے خوب علمی خدمات انجام دیں اور بہت سے لوگوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دی۔

معاویہ بن قرہ نے متعدد صحابہ سے حدیث پڑھی اور ان کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ ان صحابہ کرام میں معاویہ کے والد قرہ بن ایاس، معقل بن یسار مزنی، ابوایوب انصاری، عبداللہ بن مغفل اور دوسرے بہت سے حضرات شامل ہیں۔ معاویہ بن قرہ کا حلقۂ درس بھی جاری تھا، ان سے بے شمار حضرات نے حدیث پڑھی۔ ان کے شاگردوں میں خود معاویہ کے بیٹے ایاس، ان کے پوتے مستنیر، زہری، حسن بن علی، ابراہیم بن محمد، اسحاق بن یحییٰ، حسن بن زید وغیرہ بزرگوں کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

عجلی اور ابن حبان نے معاویہ بن قرہ کو ثقہ قرار دیا ہے اور ان کی سند سے مروی احادیث کو صحیح گردانا ہے۔ کتب احادیث میں کئی حدیثیں ان کی روایت سے درج ہیں۔ ابن جوزی نے ان کو تابعین بصرہ کے طبقہ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔

تمام بن نجیح بیان کرتے ہیں کہ مجھے معاویہ بن قرہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر صحابہ کو دیکھا ہے، اگر وہ آج یہاں آجائیں تو تمھاری عملی

---

[۱۳] العقد الثمین ص ۱۳۱

حالت اس قدر پست ہو گئی ہے کہ وہ تمھیں بالکل پہچان نہ پائیں، البتہ تمھاری اذان سے اُنھیں پتا چلے کہ تم مسلمان ہو۔

قرآن و حدیث پر عبور کی وجہ سے عمر بن عبدالعزیز نے اپنے زمانۂ خلافت میں معاویہ کو بصرے کا قاضی مقرر کر دیا تھا۔ اس میں ان کا کردار نہایت بلند تھا۔ صادق اور ثقہ تابعی تھے۔

معاویہ بن قرہ دو مرتبہ علاقہ سندھ میں آئے اور کافی عرصہ یہاں مقیم رہے۔ ۱۲۲ ہجری میں وفات پائی۔ بصرے میں ان کے اخلاف و اعقاب اچھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔[۱۴]

۱۲۔ مکحول بن عبداللہ سندھی رح

مکحول کی کنیت ایک روایت کے مطابق ابو عبداللہ، ایک کے ابو ایوب اور ایک روایت کی رو سے ابو مسلم تھی۔ باپ کا نام عبداللہ تھا۔ علوم قرآن اور حدیث میں مہارت کے سبب اُنھیں "امام السند والشام" کہا جاتا تھا۔ سند اور شام دونوں ملکوں میں طویل قیام کی وجہ سے ان کی نسبت شام کی طرف بھی کی جاتی تھی اور سندھ کی طرف بھی۔

کہا جاتا ہے کہ مکحول قبیلۂ قیس کی ایک عورت کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ قبیلۂ بنی ہُذَیل کی ایک خاتون کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ سعید بن عاص کے مولی تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنو لیث کے مولی تھے۔ ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ امام اوزاعی کے معلّم تھے جن کا نام عبدالرحمٰن

---

[۱۴] صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۱۷۹ و ۱۸۰ ــ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۰۲ ــ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۲۱ و ۲۲۲ ــ البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۱۳۹ ــ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۱۳ ــ العقد الثمین ص ۱۳۰ تا ۱۳۲ ۔

بن عمرو سندھی اوزاعی ہے۔ اوزاعی حدیث وفقہ کے جلیل القدر امام تھے اور تبع تابعین میں سے تھے۔ اصلاً علاقہ سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ اتنے بڑے امام الحدیث والفقہ کے استاد ہونا بہت فخر کی بات ہے۔

مکحول کی زبان صاف نہ تھی اور عربی صحیح نہ بول پاتے تھے۔ لہجے میں عجمیت نمایاں تھی۔ زبان میں لکنت بھی تھی اور لہجہ ایسا تھا کہ ق کو کاف بولتے تھے۔ ث، س اور ص میں فرق نہ کر پاتے تھے۔ ع اور الف میں ان کے ہاں کوئی امتیاز نہ تھا۔ اس کے باوجود امام ذہبی ان کو "عالم اہل الشام" قرار دیتے ہیں اور حافظِ حدیث اور ماہرِ فقہ کی حیثیت سے ان کا ذکر کرتے ہیں۔

اصلاً مکحول کابل کے باشندے تھے۔ ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اولادِ کسریٰ میں سے تھے۔ حضرت ابیّ بن کعب، عبادہ بن صامت، حضرت عائشہ صدیقہ اور دیگر کبار صحابہ سے تدلیس کرتے تھے۔ ابوامامہ باہلی، واثلہ بن اسقع، انس بن مالک، محمود بن ربیعؓ، عبدالرحمٰن بن غنم، ابوادریس خولانی، ابوسلام محطور اور خلق کثیر سے روایتِ علمِ حدیث کی۔ خود ان سے ایوب بن موسیٰ، علا بن الحارث، زید بن واقد، ثور بن یزید، حجاج بن ارطاۃ، فقیہِ شام امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز اور بہت سے ائمۂ حدیث نے اخذِ علم کیا۔

سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے مکحول سے سُنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے طلبِ علم کے لیے متعدد بلاد و امصار اور بہت سے علاقوں کا سفر کیا۔ مصر گیا تو وہاں کے پورے علم پر حاوی ہوگیا۔ عازمِ شام ہوا تو وہاں کے تمام علما و محدثین کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کی شاگردی اختیار کر کے سب علوم کو سمیٹ لیا۔ پھر عراق کے لیے رختِ سفر باندھا اور وہاں کے ائمۂ حدیث سے کسبِ فیض کیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ پہنچا اور وہاں کے علم سے بہرہ اندوز ہوا۔ سعید بن عبدالعزیز کے بقول مکحول نے علم کی جو چیز جہاں دیکھی، سینے میں ڈال لی اور ان کی قوتِ حافظہ نے اسے محفوظ کرلیا۔ مکحول کے کثرتِ علم اور مختلف مقامات کے اساتذہ وائمہ

سے حصولِ علم کی وجہ سے سعید بن عبدالعزیز انھیں امام زہری سے زیادہ فقیہہ قرار دیتے ہیں۔

مکحول بہت سخی اور کھلے دل کے تھے۔ سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ انھوں نے ایک شخص کو دس ہزار دینار عطا کیے۔

ابومسہر اور بعض دیگر حضرات کا بیان ہے کہ سندھ کے اس جلیل القدر محدث و فقیہہ نے ۱۱۳ ہجری میں وفات پائی۔ ابونعیم اور وحیم کے بقول ان کا انتقال ۱۱۲ ہجری میں ہوا۔[۱۵]

۱۳۔ عبدالرحمٰن بن عباس رحمہ اللہ

عبدالرحمٰن بن عباس بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب بن ہاشم قرشی ہاشمی۔ یہ تابعی تھے۔ والدہ کا اسمِ گرامی ام فراس تھا جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

عبدالرحمٰن بن عباس ۸۲ یا ۸۳ ہجری میں عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کندی کے بعد سندھ آئے۔ ان سے پہلے سندھ کا جو علاقہ فتح ہو چکا تھا، اس کو منظم کرنے اور مزید علاقہ فتح کرنے کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انھوں نے سماعِ حدیث کی۔ ان کے دادا حضرت ربیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان کے والد عباس عوام و خواص میں بڑی قدر و منزلت کے مالک تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرہ میں ایک مکان عطا کیا تھا، ایک لاکھ دینار بھی عنایت فرمائے تھے۔ جنگِ صفین کے موقعے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ان کی حمایت کے لیے

---

[۱۵] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۸۹ تا ۲۹۳۔ وفیات الاعیان ج ۴ ص ۳۶۸ تا ۳۷۰۔

شامل جنگ ہوئے تھے اور اسی جنگ میں اُنھوں نے انتقال کیا۔
عبدالرحمٰن بن عباس نے سندھ میں وفات پائی۔[۱۶]

۱۴۔ عبدالرحمٰن سندھی رح

عبدالرحمٰن سندھی تابعین میں سے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ امام بخاری نے اپنی مشہور تصنیف التاریخ الکبیر میں ان کا ذکر کیا ہے اور ان کی سند سے ایک حدیث بھی درج کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عبدالرحمٰن السندی سمع انسا، کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأکل ولا یتوضأ من اللحم[۱۷]

یعنی عبدالرحمٰن سندھی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔

اس سے زیادہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔

۱۵۔ قطن بن مدرک کلابی رح

قطن بن مدرک کلابی، قبیلۂ بنو کلاب سے تعلق رکھتے تھے۔ تابعی تھے اور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عمال و امرا میں سے تھے۔ اسد الغابہ کی روایت کے مطابق ۹۳ ہجری میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور ان کی نماز جنازہ قطن بن مدرک کلابی نے پڑھائی۔ جہادِ سندھ میں یہ محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ اسی زمانے میں جب کہ یہ پاک باز لوگ سندھ کے محاذ پر مصروف جہاد تھے، حجاج

---

[۱۶] تاریخ طبری ج ۶ ص ۳۷۳ — الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۱۸۷ — تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۰۵ - جمہرۃ انساب العرب ص ۷۱ — العقد الثمین ص ۲۲۹، ۲۳۰

[۱۷] التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۲۹۵۔

بن یوسف نے محمد بن قاسم کے نام ایک مکتوب بھیجا، جس میں قطن بن مدرک کلابی کی بہت تعریف کی تھی اور لکھا تھا کہ قطن پر مکمل اعتماد کیا جائے۔ یہ صادق القول، وفادار اور لائقِ احترام شخص ہیں۔ خیانت و بددیانتی سے ان کا دامن ہمیشہ پاک رہا ہے۔

قطن کافی عرصہ سندھ میں رہے اور وہاں شعائرِ اسلام پھیلانے کے سلسلے میں انھوں نے بڑی جدوجہد کی۔

حجاج نے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں قطن کو بحرین اور کوفے کا والی مقرر کر دیا تھا۔[۱۸]

۱۶- قیس بن ثعلبہ رحمہ اللہ

قیس بن ثعلبہ تابعین کے اس عالی مرتبت گروہ سے تعلق رکھتے تھے جنھوں نے درسِ حدیث اور تبلیغِ سنت کے ساتھ ساتھ جنگ و جہاد میں بھی باقاعدہ حصہ لیا۔ یہ محمد بن قاسم کی فوج کے ساتھ ایک سپاہی کی حیثیت سے واردِ سندھ ہوئے اور دیبل کے محاذ پر جنگ میں حصہ لیا۔

قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممتاز صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیثِ رسول کا درس لیا اور ان کے حلقۂ تلمذ میں شریک ہوئے۔ مندرجہ ذیل حدیث اُنھوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی۔

روی عن ابن مسعود قال کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الصلوۃ۔[۱۹]

---

[۱۸] اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۲۹

[۱۹] لسان المیزان ج ۴ ص ۴۷۷ — تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۸۵ نیز دیکھیے ص ۴ تا ۶۔

۱۷۔ کہمس بن حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

کہمس کی کنیت ابوالحسن تھی۔ والد کا اسم گرامی حسن تھا۔ قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔ بصرہ کے رہنے والے تھے اور تابعی تھے۔ کتب رجال میں ان کا نام اس طرح لکھا گیا ہے۔ ابوالحسن کہمس بن حسن قیسی تمیمی (یا نمیری) بصری۔

کہمس نے محمد بن قاسم کی کمان میں سندھ پر حملہ کیا۔ عبادت و زہد میں منفرد تھے۔ ابنِ سعد نے ان کو طبقۂ رابعہ کے بصری محدثین و تابعین میں شمار کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل، ابن حبان، ابن سعد، یحییٰ بن معین اور دیگر بہت سے حضرات نے ان کو ثقہ راویِ حدیث قرار دیا ہے۔ امام بخاری نے اپنی تصنیف التاریخ الکبیر میں ان کا ذکر کیا ہے۔

انھوں نے عبداللہ بن بریدہ، عبداللہ بن شقیق، عقیلی، محمد بن عمرو، مصعب بن ثابت وغیرہ حضرات سے روایت کی اور احادیث سنیں۔ خود کہمس سے معاذ بن معاذ، خالد بن حارث، نضر بن شمیل، مقری اور وکیع بن جرّاح نے سماعتِ احادیث کی۔

نہایت عبادت گزار، حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت کثرت سے کرتے تھے اور خشیتِ الٰہی سے آنکھوں میں آنسو تیرتے رہتے تھے۔ درسِ حدیث کا سلسلہ قائم تھا۔ نہایت توجہ اور دل جمعی سے طلبا کو حدیث پڑھاتے تھے۔ ان کی والدہ بیمار تھیں، ان کی بڑی خدمت کرتے۔

جب وفات پا گئیں تو بصرہ سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو پتا چلا کہ محمد بن قاسم کی قیادت میں جہاد کی غرض سے ایک لشکر سندھ جا رہا ہے، اس میں شامل ہو گئے۔ اس جنگ کی تمام کیفیت، مختلف حملے، محمد بن قاسم کی حربی مہارت، راجہ داہر سے مقابلہ اور مخالفینِ اسلام کی شکست وغیرہ واقعات کے یہ چشم دید گواہ ہیں اور یہ واقعات انھوں نے بیان کیے ہیں۔

کہمس کہتے ہیں کہ ۹۳ ہجری میں جب ہم سندھ کے شہر دیبل پہنچے تو میں محمد بن قاسم کے ساتھ تھا۔ داہر بہت بڑی فوج کے ساتھ میدان میں اُترا۔ اس کی فوج میں ستائیس جنگی ہاتھی تھے۔ اس کا ہر سپاہی مہلک اسلحہ سے مسلح تھا، لیکن اسلامی فوج کے مقابلے میں ان کو زبردست شکست ہوئی اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

کہمس عابد و زاہد ہونے کے ساتھ ساتھ بہت جری اور بہادر تھے۔ کافی عرصہ سندھ میں رہے اور لوگوں کی علمی اور اخلاقی تربیت کو اپنا مطمحِ نظر ٹھہرائے رکھا۔ ۱۴۹ ہجری میں وفات پائی۔ مشہور بزرگ حضرت حسن بصریؒ کے بیٹے تھے۔ ۲۵؎

۱۸۔ یزید ابن ابو کبشہ سکسکی دمشقیؒ

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: یزید بن ابو کبشہ بن یسار بن حیؓ بن قرط بن شبیل بن مقلہ بن معدیکرب بن عریف بن سکسک۔ یزید کے والد کا نام جبریل تھا اور ابو کبشہ ان کی کنیت تھی۔ حجاج بن یوسف ۹۵ ہجری میں فوت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک نے یزید بن ابو کبشہ کو بصرے کا والی مقرر کر دیا تھا۔ یہ دمشق کے رہنے والے تھے اور تابعین کی عالی قدر جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ابن حبان نے ان کو روایتِ حدیث میں ثقہ قرار دیا ہے۔ صحابہ میں سے یزید بن ابو کبشہ نے حضرت شرجیل بن اوس اور ابوالدرداء سے روایت حدیث کی۔ اپنے باپ ابو کبشہ اور مروان سے بھی سماع روایت کی۔ خود یزید بن ابو کبشہ سے بھی بہت سے حضرات نے علم حدیث حاصل کیا اور ان سے مستفید ہوئے، جن میں ابو بشر، حکم بن عتبہ، علی بن اقمر، معاویہ بن قرہ مزنی، ابراہیم بن عبدالرحمن سکسکی اور دیگر حضرات شامل ہیں۔

۲۵؎ طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۰ ۔ کتاب الکنیٰ والاسماء ج ۱ ص ۱۴۸ ۔ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۵۰، ۴۵۱ ۔ صفۃ الصفوۃ ج ۳ ص ۴۳۴، ۴۳۵ ۔

امام بخاری نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ کان عریف السکاسک یعنی یہ سکسکیوں کے امیر اور سرکردہ آدمی تھے۔ یہ بھی منقول ہے کہ یہ عراق کے والی رہے، اور حجاج کے زمانے میں امیر جنگ کے منصب بلند پر متعین تھے۔ مروی ہے کہ حجاج کی موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے بیٹے عبدالملک بن حجاج کو امام نماز، یزید بن ابو مسلم کو خراج وصول کرنے پر اور یزید بن ابو کبشہ کو امیر حرب مقرر کر دیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کی وفات تک یہ اسی عہدے پر فائز رہے۔ ایک اور روایت میں بتایا گیا ہے کہ حجاج کی موت کے بعد ولید بن عبدالملک نے ان کو امام نماز مقرر کر دیا تھا، لیکن ولید کی وفات کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے عنانِ خلافت سنبھالی تو اس نے یزید بن ابو کبشہ کو امامتِ نماز کے عہدے سے الگ کر دیا تھا۔

امام محمد بن حسن شیبانی نے کتاب الآثار میں ایک روایت بیان کی ہے جو یزید بن ابو کبشہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ان کی سند سے چند احادیث مروی ہیں، جن میں ایک حدیث مستدرک حاکم میں بطریق ابی بشر روایت کی گئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

سمعت یزید بن ابی کبشۃ یخطب بالشام یقول سمعت رجلاً من اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحدث عبدالملک بن مروان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا شرب الخمر فاجلدوہ۔

یعنی ابو بشر کہتے ہیں، میں نے شام میں یزید بن ابو کبشہ سے خطبہ دیتے ہوئے یہ الفاظ سنے، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے سنا ہے۔ وہ عبدالملک بن مروان کو بتا رہے تھے کہ کوئی شخص شراب نوشی کرے تو اس کو کوڑے لگاؤ۔

یہاں آنحضرت کے صحابی کا نام نہیں لیا گیا، حاکم کا بیان ہے کہ میں نے ابو علی نیشاپوری سے سنا کہ یہ صحابی حضرت شرجیل بن اوس رضی اللہ عنہ تھے۔

آخر میں یزید بن ابو کبشہ کو علاقہ سندھ کا والی بنا دیا گیا تھا۔ یہ سندھ تشریف لائے اور فرائض امارت ادا کرنا شروع کیے۔ لیکن یہاں آنے کے اٹھارہ دن بعد ۹۶ ہجری میں وفات پا گئے۔ [۲۱]

۱۹۔ موسیٰ سیلانی رح

موسیٰ سیلانی تابعی تھے اور سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ اُنھوں نے آنحضرت صلعم کے خادمِ خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ مقدمہ ابن الصلاح کے بیان معرفۃ الصحابہ میں بتایا گیا ہے کہ ہم نے شعبہ سے روایت کی اور شعبہ نے موسیٰ سیلانی سے کی اور اُن کی تعریف فرمائی۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لقیت انس بن مالک فقلت هل بقی من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد غیرك؟ فقال بقی ناس من الاعراب قد راٰوہ، اما من صحبہ فلا۔

(یعنی موسیٰ سیلانی کہتے ہیں) میں حضرت انس بن مالک سے ملا اور ان سے پوچھا، کیا آپ کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی اور بھی باقی ہے؟ فرمایا چند ایسے اعراب باقی ہیں جنھوں نے آنحضرت کو دیکھا تو ہے مگر اُنھیں آپ صلعم سے شرفِ صحبت حاصل نہیں۔

مقدمہ ابن الصلاح میں موسیٰ سیلانی کو ثقہ قرار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے:

اسنادہ جید، حدث بہ مسلم بحضرۃ ابی زرعۃ، وذکرہ ابن ابی حاتم الرازی وابن الاثیر الجزری، ووثقہ یحیی بن معین۔ [۲۲]

---

[۲۱] جمہرۃ انساب العرب ص ۴۳۲ ــ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۵۴، ۳۵۵

[۲۲] مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۴۶ ــ العقد الثمین ص ۲۱۷

۲۰۔ موسیٰ ابن یعقوب ثقفی رح

موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی، محدث اور تابعی تھے۔ اصلاً عرب تھے اور محمد بن قاسم کے زمانے میں سندھ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے، عرب کے اسی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جس سے محمد بن قاسم کا تعلق تھا یعنی قبیلہ بنو ثقیف سے ۔!
قرآن و حدیث اور معاملہ فہمی میں مہارت کی بنا پر محمد بن قاسم نے ۹۳ ہجری میں سندھ کے دارالحکومت شہر اروڑ کو فتح کرنے کے فوراً بعد انھیں اس شہر کی مسند قضا و خطابت پر متمکن کر دیا تھا۔ بعد میں یہ پورے سندھ کے قاضی القضاۃ رہے۔ محمد بن قاسم نے موسیٰ بن یعقوب کو اروڑ کا قاضی و خطیب اور احنف بن قیس کے نواسے رواح بن اسد کو وہاں کا والی مقرر کیا اور رعیت سے حُسنِ سلوک، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کی۔ اس سلسلے میں چچ نامہ کے الفاظ یہ ہیں۔

> "چوں محمد بن قاسم اور اہلِ دارالملک اروڑ را تحتِ اقتدار و مطاوعت خود آوردہ و ہمگناں مطیع و مامور گشتند رواح بن اسد از نواسگانِ احنف بن قیس را بہ ایالتِ اروڑ نصیب کرد، و امور شرعی و مہم دارِ قضا و خطابہ بصدر الامام الاجل العالم، برہان الملتہ والدین، سیف السنتہ و نجم الشریعتہ موسیٰ بن یعقوب بن طائی بن محمد بن شیبان بن عثمان الثقفی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین باز گزاشت و فرمود یا رعایا را استمالت ولجد بیند فرمان یأمرون بالمعروف و ینھون عن المنکر مہمل نماند و ہر دو را برعایتِ خلق و رعیت وصیت کرد و مثال مطلق داد" [۲۳]

یعنی جب محمد بن قاسم نے دارالسلطنت اروڑ کو اپنے تحتِ اقتدار اور زیرِ نگیں کر لیا اور سب لوگ اس کے اطاعت گزار و فرماں بردار ہوگئے تو اس نے

---

[۲۳] چچ نامہ ص ۲۲۵

رواح بن اسد کو جو احنف بن قیس کے نواسوں میں سے تھا، اس کا والی اور گورنر مقرر کیا اور امورِ شرعیہ، معاملاتِ دار القضا اور منصبِ خطابت صدر الامام الاجل العالم، برہان الملتہ والدین، سیف السنتہ ونجم الشریعہ موسیٰ بن یعقوب بن طائیؒ بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ رعایا کی دلجوئی کو اپنے آپ پر لازم قرار دیں اور ساتھ ہی کہا کہ فرمانِ خداوندی کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ پھر ان دونوں بزرگوں ۔۔ رواح بن اسد اور موسیٰ بن یعقوب کو خلقِ خدا اور رعایا سے نرمی برتنے کی تاکید کر کے سند خود مختاری عطا کی۔

موسیٰ بن یعقوب ثقفی کا خاندان قرآن و حدیث پر عبور اور فراوانیٔ علم کے اعتبار سے دیارِ سندھ کا مشہور ترین خاندان تھا۔ ان کے اخلاف کو ہر دور میں عزت و احترام کا مستحق گردانا گیا۔ یہ خاندان سلطان شمس الدین التمش (متوفی ۶۳۳ھ) کے عہد تک سندھ اور ہندوستان کے بعض علاقوں میں موجود تھا۔

قاضی اسماعیل بن علی بن محمد ثقفی سندھی ایک بہت بڑے عالم اور نامور فاضل تھے جو اسی خاندان کے فردِ فرید تھے اور ۶۱۳ھ میں شہر اروڑ کے عہدۂ قضا پر متمکن تھے۔
اسی خاندان کے ایک بزرگ نے عربی زبان میں تاریخ سندھ تحریر کی تھی جو ان غزوات و فتوحات پر مشتمل تھی جو اس نواح میں مسلمانوں نے کیں۔ اس کے منتشر اوراق قاضی اسماعیل بن علی ثقفی سندھی کے پاس بلدۂ اوڑ میں محفوظ تھے۔ یہ اوراق ان کے پاس علی بن حامد بن ابوبکر کوفی (متوفی ۶۱۳ھ) نے دیکھے اور ان سے لے کر انھیں فارسی میں منتقل کر دیا اور پھر یہ کتاب چچ نامہ کے نام سے موسوم ہوئی۔[۲۴]

سندھ و ہند کا علاقہ پہلی صدی ہجری ہی میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ اور علومِ کتاب و سنت کا مرکز قرار پا گیا تھا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[۲۴] چچ نامہ ص ۹، ۱۰۔

بعض صحابہ بھی تشریف لائے، تابعین نے بھی ادھر کا رُخ کیا اور تبع تابعین نے بھی اس علاقے کو اپنا ہدفِ توجہ ٹھہرایا۔

۲۱۔ عبدالرحمٰن کندی رح

عبدالرحمن بن قیس بن محمد بن اشعث بن قیس کندی کوفی۔ امام ابن حزم نے "جمہرۃ انساب العرب" میں لکھا ہے کہ والیٔ عراق حجاج بن یوسف نے ان کو سجستان کا والی مقرر کر دیا تھا، جو (بعض روایات کے مطابق) اس وقت سندھ کا حصہ تھا۔ اپنے دورِ ولایت و امارت میں انھوں نے بعض ملوکِ ہند سے جہاد کیا۔

حجاج نے ان کو ۸۰ ہجری میں امارتِ سجستان کی سند دے کر بھیجا تھا جب وہاں ان کے قدم جم گئے اور لوگوں پر اثر و رسوخ قائم ہوگیا تو انھوں نے حجاج کی اطاعت گزاری سے انکار کر دیا تھا اور اس سے باغی ہو گئے تھے۔

مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ حجاج نے عبدالرحمٰن کندی کو سجستان کا اور اس کے علاوہ بست، رخج اور ان ترک قبائل کا امیر بنا کر بھیجا تھا، جو اس زمانے میں وہاں آباد تھے۔ ان قبائل میں غور اور خلج کے قبائل بھی تھے۔ اپنے عہدِ امارت میں عبدالرحمٰن کندی نے متعدد والیانِ ہند سے جنگیں لڑیں۔

سنن ابی داؤد اور بعض دیگر کتبِ احادیث میں ان کی سند سے چند حدیثیں مندرج ہیں۔

عبدالرحمٰن کندی نہایت بہادر، بہت جرأت مند اور بڑے مجاہد تابعی تھے۔ منقول ہے کہ ۹۰ ہجری سے کچھ عرصہ بعد حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کرا دیا تھا۔[25]

---

[25] جمہرۃ انساب العرب ص ۴۲۵۔ مروج الذہب ج ۳ ص ۱۳۸، ۱۳۹۔ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۹۰۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۶۔ الاغانی ج ۴ ص ۱۷۴۔ رجال السند والہند ص ۴۳۹، ۴۴۰۔

۲۲۔ عبد الرّحمٰن بیلمانی رح

عبد الرحمٰن بن ابو زید بیلمانی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں خمس کے طور پر ان کے حصے میں آئے۔ انھیں موالیِ عمر میں گردانا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو حاتم تھی۔ یہ وہ تابعی ہیں جنھوں نے صحابہ میں سے عبد اللہ بن عباس، عثمان بن عفان، عبد اللہ بن عمر، سعید بن زید، عبد اللہ بن عمرو، معاویہ، عمرو بن عبسہ اور عمرو بن اوس رضی اللہ عنہم سے روایتِ حدیث کی۔ تابعین کی جماعت میں سے انھوں نے عبد الرحمٰن اعرج اور نافع بن جُبَیر بن مطعم سے روایت کی۔

عبد الرحمٰن بن ابو زید بیلمانی سے بھی بہت سے حضرات نے حدیثِ رسول کی روایت کا شرف حاصل کیا، جن میں ان کے بیٹے محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی کے علاوہ، یزید بن طلق، ربیعہ بن ابو عبد الرحمٰن، خالد بن ابو عمران، سماک بن فضل اور ایک جماعت شامل ہے۔

عبد المنعم بن ادریس کا کہنا ہے کہ عبد الرحمٰن بن ابو زید دراصل اہلِ یمن سے تعلق رکھتے تھے اور بہترین شاعر تھے۔ حرّان میں ان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ انھوں نے اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک سے ملاقات کی اور وہ ان سے بہت اچھی طرح پیش آیا۔ اس کا عہدِ حکومت ۸۶ ہجری سے ۹۶ ہجری تک دس سال کا ہے۔ اسی کے عہد میں ان کی وفات ہوئی۔

ترمذی میں طوافِ وداع کے بارے میں عبد الرحمٰن بیلمانی سے حدیث مروی ہے اور نسائی میں عمرو بن عبسہ سے ان کے قبولِ اسلام کے متعلق واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

ابنِ حبّان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے اور دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے اور لکھا ہے:

ضعیف لا تقوم بہ حجۃ۔

یعنی عبد الرحمٰن بیلمانی ضعیف راوی ہیں، ان کی مرویات کو قابلِ حجت نہیں مانا جا سکتا۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولی تھے اور بیلمانی تھے۔ بیلمان، بھیلمان کا معرب ہے جو سندھ، گجرات کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کے درمیان ایک قصبہ تھا، اور یہ قصبہ جنید بن عبدالرحمن مری کے ہاتھوں بنو امیہ کے مشہور حکمران ہشام بن عبدالملک کے عہدِ حکومت میں فتح ہوا۔[۲۶]

۲۳۔ عمر بن عبیداللہ قرشی تیمی رح

عمر بن عبیداللہ بن معمر بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن غالب قرشی تیمی۔ عمر بن عبیداللہ کی کنیت ابوحفص تھی۔ یہ عرب کے اصحابِ سخاوت اور نیک ترین لوگوں سے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ہم رکاب ہو کر اُنھوں نے کابل کا علاقہ فتح کیا۔ اشرافِ عرب میں ان کو یہ اہمیت حاصل ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب عبدالرحمن بن سمرہ کو امارتِ سجستان پر مامور کیا، اس وقت وہ ان کے ساتھ تھے۔

عمر بن عبیداللہ جب مخالفینِ اسلام سے جہاد کرتے اور فتوحات حاصل کرتے ہوئے کابل کی حدود میں داخل ہوئے تو حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ وہ نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے پاس آئے۔

عمر بن عبیداللہ نے ارمائیل میں بھی جنگ کی۔ کہتے ہیں ارمائیل اس زمانے میں ایک بڑا شہر تھا جو صوبہ سندھ میں مکران اور دیبل کے درمیان واقع تھا۔

عمر بن عبیداللہ نے ابان بن عثمان سے روایتِ حدیث کی۔ پھر ان سے نُبَیْہ بن وہب وغیرہ حضرات نے روایت کی۔

---

[۲۶] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۳۶۔ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۹، ۱۵۰۔
العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابہ والتابعین ص ۲۱۸۔

چچ نامہ کی روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبید اللہ کو ارمائیل میں جہاد کی غرض سے بھیجا اور ارمائیل سندھ کا ایک شہر تھا۔ ایک روایت کے مطابق ارمائیل کو اب لس بیلہ کہا جاتا ہے جو قلات میں واقع ہے۔

حجاج بن یوسف نے عمر بن عبید اللہ کو ضمیر کے مقام پر قتل کرا دیا تھا جو دمشق سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس وقت عمر بن عبید اللہ کی عمر ساٹھ برس تھی [۲۷]

۲۴۔ شمر بن عطیہ اسدی رح

شمر بن عطیہ بن عبد الرحمٰن اسدی۔ ان کا تعلق قبیلہ بنی مُرّہ بن حارث بن سعد بن ثعلبہ سے تھا۔ ثقہ راوی تھے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ ان سے کئی صحیح احادیث مروی ہیں، جن میں ایک روایت ابن اثیر میں مع سند کے ان الفاظ کے ساتھ درج ہے

روی سفیان عن الاعمش عن شمر بن عطیۃ عن رجل من جہینۃ اومُزینۃ قال:۔ قد جاءت وفود الذئاب قریب من مائۃ ذئب حین صلیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقال! ھذہ وفود الذئاب جاءتکم تسألکم لتفرضوا قوت طعامکم وتأمنوا ما سویٰ ذلک فشکوا الیہ الحاجۃ، فادبرن ولھن عواء۔

ایک اور روایت یہ ہے۔

عن الاعمش عن شمر بن عطیۃ عن ابی حازم قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر فی الظل واصحابہ یقاتلون فی الشمس فاتاہ جبرئیل علیہ السلام، فقال! انت فی الظل واصحابک یقاتلون فی الشمس فتحوّل الی الشمس۔

---

[۲۷] معجم البلدان ——— جمہرۃ انساب العرب ——— چچ نامہ
——— رجال السند والہند ص ۴۶ تا ۶۲

شمر بن عطیہ وہ تابعی ہیں جو جہاد کے سلسلے میں محمد بن قاسم کے ساتھ وارد سندھ ہوئے تھے اور جنھوں نے فتوحات ہند میں باقاعدہ حصّہ لیا تھا۔ چچ نامہ میں ان کا نام بشیر لکھا گیا ہے جو صحیح نہیں۔ ان کا اسم گرامی شمر ہے۔[۲۵]

۲۵۔ سعید بن اسلم کلابی رحمۃ اللہ علیہ

ان کا نسب نامہ اس طرح ہے: سعید بن اسلم بن زرعہ بن علس بن عمرو صعق۔ سعید بن اسلم قبیلہ بنی ربیعہ بن کلاب کے مشہور فرد تھے، اس لیے کلابی کہلائے، ان کا شمار تابعین کی پُروقار جماعت میں ہوتا ہے۔ تاریخ الکبیر میں امام بخاری نے لکھا ہے کہ سعید بن اسلم نے بنو کلاب کے ان موالی سے روایت حدیث کی جو قبیلہ بنو غفار سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔

ابن حبان نے سعید بن اسلم کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔

ابن ماکولا نے لکھا ہے کہ سعید بن اسلم کو سندھ کا والی مقرر کیا گیا تھا اور ان کے بیٹے مسلم کا تقرر خراسان کی ولایت پر ہوا تھا۔

خلیفہ نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر ۷۸ ہجری کے واقعات میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے سعید بن اسلم کو علاقۂ مکران میں بھیجا تھا اور وہاں محمد اور معاویہ نے جو حارث کے بیٹے تھے اور قبیلہ بنی سامہ بن لوی سے تعلق رکھتے تھے، سعید کو قتل کر دیا تھا۔

بلاذری ہیں فتوح البلدان میں لکھا ہے کہ جب حجاج بن یوسف عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے سعید بن اسلم کلابی کو مکران اور اس کی سرحد کی ولایت پر مامور کیا۔ اس کے بعد حارث کے دو بیٹوں محمد اور معاویہ نے ان پر حملہ کیا اور انھیں قتل کر کے

---

[۲۵] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۱۰ — فتوح البلدان ص ۲۷۸ — رجال السند والہند ص ۱۲۶۔

سرحد مکران پر قبضہ کر لیا ۔

یعقوبی کے بقول حجاج نے سعید بن اسلم کو سندھ اور ہند کی سرحدوں کا والی بنایا تھا ، اور ان کی رہائش مکران میں تھی ۔ انھوں نے نواحی ہند میں غیر مسلموں کے ساتھ جہاد کیا ، بعد ازاں انھیں قتل کر دیا گیا تھا ۔

عرب کے مشہور شاعر فرزدق نے ان کے قتل کے بعد چند اشعار کہے تھے ، ان میں سے دو شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں ۔

سقى الله قبراً من سعيد فاصبحت

نواحيه مت ادهى عليك ترابها

لقد ضمنت ارض بمكران سيداً

كريماً جواداً لا يواكب سحابها[۲۹]

۲۶ ۔ سعید بن کندیر قشیری رح

سعید بن کندیر ابو کندیر سعید بن حیدہ بن معاویہ بن حیدہ بن قشیر بن کعب بن عامر بن صعصعہ قشیری ۔

اس سلسلۂ نسب میں ایک شخص حیدہ بن معاویہ کا نام آیا ہے ، ایک روایت کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے ۔ تاہم اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔

طبری کی روایت کے مطابق سعید بن کندیر کا شمار خلیفہ ثالث حضرت

---

[۲۹] التاریخ الکبیر ج ۲ ص — تاریخ الکامل ج ۴ ص ۱۴۷ — فتوح البلدان ص ۴۲۳ — الاکمال (ابن ماکولا) ج ۶ ص ۹۵ — کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص — جمہرۃ انساب العرب ص ۲۸۷ — رجال السند والہند ص ۱۴۴ تا ۱۴۶ ۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے ولات اور امرائے سندھ و مکران میں ہوتا ہے۔
حضرت عثمان کی شہادت کے وقت یہ مکران کے منصب امارت پر فائز تھے۔
حضرت عثمان کی شہادت ذی الحجہ ۳۵ ہجری میں ہوئی ۔ [۱۱۳]

۲۷۔ سعد بن ہشام انصاری رح

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: سعد بن ہشام بن عامر بن اُمیّہ بن زید بن حسحاس بن مالک بن عامر بن غنم بن نجار انصاری ۔!

سعد بن ہشام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے اور تابعی تھے۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت حدیث کی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی سماع حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اپنے والدِ مکرم ہشام بن عامر انصاری کے سامنے بھی زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے حدیث رسول کی سماعت و روایت سے بہرہ ور ہوئے۔

سعد بن ہشام انصاری نے خود بھی مسندِ تدریس آراستہ کی اور ان سے حمید بن ہلال، زرارہ بن ابی اوفیٰ، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری، حسن بصری اور بعض دیگر حضرات تابعین و تبع تابعین نے درسِ حدیث لیا۔

امام نسائی نے سعد بن ہشام کو ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ سرزمین مکران میں جہاد کرتے ہوئے مارے گئے تھے۔ طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے کہ یہ ثقہ راوی تھے۔

---

[۱۱۳] جمہرۃ انساب العرب ص ——— الاصابہ فی تمییز الصحابہ ———
اسد الغابہ ——— رجال السند والہند ص ۱۸۰

امام بخاری "التاریخ الکبیر" میں رقم طراز ہیں کہ حصین بن نافع نے حضرت حسن بصری سے یہ الفاظ سنے ۔

قتل بارض مکران علی احسن حالہ ۔

یعنی سعد بن ہشام انصاری نے ارضِ مکران میں بہترین حال میں مرتبۂ شہادت پایا ۔

تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں ۔

ثقۃ من الثالثۃ ، اُستُشہد بارض الھند ۔

کہ سعد بن ہشام ثقہ تھے اور محدثین کے طبقۂ ثالثہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ خطۂ ہند میں شربتِ شہادت نوش فرمایا ۔[۱۳۱]

۲۸۔ جباب بن فضالہ ذہلی رح

ارضِ ہند سے کسی نہ کسی شکل میں تعلق رکھنے والے جن تابعین عظام کے اسمائے گرامی قدیم کتبِ تاریخ میں مرقوم ہیں ، ان میں ایک نام جباب بن فضالہ ذہلی کا ہے ۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص اور ممتاز صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رؤیت و زیارت کا شرف حاصل کیا ۔ منقول ہے کہ ہندوستان آنے والے اسلامی لشکر میں ان کا نام لکھا گیا تھا ۔ انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر فتویٰ پوچھا کہ والدین سے اجازت لیے بغیر جہاد کے لیے جا سکتا ہوں یا نہیں ؟ حضرت انس رضؓ نے واپس جانے کا مشورہ دیا ۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ جباب واپس والدین کے پاس گئے یا بغرضِ جہاد عازم ہند ہوئے ۔ اس ضمن میں میزان الاعتدال میں خود جباب بن فضالہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں ۔

---

[۱۳۱] التاریخ الکبیر ——— تقریب التہذیب ———

تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۸۳ ۔ رجال السند والہند ص ۱۲۴ ، ۱۴۷

قال اتیت البصرۃ فلقیت انس بن مالکؓ فقلت لہ انی اردت سفرا فاردت ان استامرک ۔

قال واین ترید ؟

قلت الھند ۔

قال فحیّ والداک او احدھما ؟

قلت بل حیان ۔

قال فراضیان بخروجک ؟

قلت بل ساخطان ، استعدای علیّ ابی وحبسنی السلطان ۔

قال فالدنیا ترید او الاٰخرۃ ؟

قلت کلیھما ۔

قال ما اراکؐ الا ستحیطھما کلتیھما ۔ ارجع الی ابویک ، فبرھما و اصحبھما ، فانک لن تصیب کسباً خیراً منہ ۔

یعنی حباب بن فضالہ کہتے ہیں ، میں بصرے آیا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ملا ۔ میں نے ان سے عرض کیا ، میں سفر پر جانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے آپ سے اجازت کا طالب ہوں ۔

فرمایا ! کہاں جانا چاہتے ہو ۔ ؟

عرض کیا : ہندوستان ۔ !

فرمایا : تمھارے ماں باپ دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہے ۔ ؟

عرض کیا : زندہ ہیں ۔

فرمایا : وہ تمھارے جانے پر خوش ہیں ؟

میں نے جواب دیا ! خفا ہیں ۔ میرے والد نے مجھ پر زیادتی کی ۔ (وہ مجھے سلطان کے پاس لے گئے) اور سلطان نے مجھے جانے سے روک دیا ۔

فرمایا : دنیا چاہتے ہو یا آخرت ۔ ؟

عرض کیا: دونوں ۔!

فرمایا: مَیں سمجھتا ہوں کہ دونوں ضائع کر بیٹھوگے ۔ جاؤ، ماں باپ کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو ۔ ان کی خدمت میں رہو، تمھارے لیے اس سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں[۳۲]

۲۹ - عبدالرحمٰن بن عبداللہ رح

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن حارث بن نظام بن جشم بن عمرو بن حارث بن مالک ـــ عبدالرحمٰن بن عبداللہ کو اعشیٰ ہمدان بھی کہا جاتا ہے ۔ ان کی کنیت ابوالمصبح تھی ۔ فصیح الکلام شاعر تھے ۔ کوفے کے رہنے والے تھے اور کوفے کے شعرائے بنوامیہ میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔ نامور فقیہہ تھے اور تابعین کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے ۔ اونچے درجے کے قاری تھے اور فقہائے قرا میں گردانے جاتے تھے ۔

امام شعبی فقیہہ کی شادی عبدالرحمٰن اعشیٰ ہمدان کی بہن سے ہوئی تھی، اور امام شعبی فقیہہ کی بہن اعشیٰ ہمدان کے حبالۂ عقد میں تھیں ۔ ایک دن اعشیٰ ہمدان اپنے بہنوئی اور سالے امام شعبی فقیہہ کے پاس آئے اور کہا: میں نے خواب دیکھا ہے کہ مجھے ایک مکان میں داخل کیا گیا، جس میں جَو بھی تھے اور گندم بھی ۔ مجھے کہا گیا کہ غلے کی ان دونوں جنسوں میں سے جو جی چاہے لے لوں ۔ میں نے جَو پسند کیے اور لے لیے ۔

امام شعبی نے کہا اگر تم نے خواب اسی طرح دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم قرآن اور اس کی قرأت کا سلسلہ ترک کر دوگے اور شعر کہنے لگوگے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ قرأت قرآن سے توجہ ہٹالی اور شعر و شاعری کو اصل مشغلہ ٹھہرالیا ۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ اعشیٰ ہمدان وہ تابعی ہیں جنھوں نے اپنے دَور کے بہت بڑے شاعر کی حیثیت سے شہرت پائی ۔ اعشیٰ ہمدان نے اپنے ساتھ ایک

---

[۳۲] میزان الاعتدال فی نقد الرجال (حافظ ذہبی) ج ۱ ص ۲۰۸

مغنیّ رکھا تھا، جس کا نام احمد تھا۔ اعشیٰ ہمدان شعر کہتے تھے اور احمد نہایت دلکش آواز سے ان کے شعر لوگوں کو گا کر سناتا تھا۔

اعشیٰ ہمدان بڑے بہادر اور جنگجو تھے۔ غزوۂ مکران میں شریک تھے جو اب پاکستان کے صوبہ سندھ کا علاقہ ہے۔

پھر ایک وقت آیا کہ انھوں نے عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کے ساتھ مل کر حجاج بن یوسف کے خلاف خروج کیا اور حجاج کی فوج سے جنگ کی۔ بعد ازاں حجاج کے آدمیوں نے انھیں گرفتار کر لیا اور قیدی بنا لیے گئے۔ ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ گرفتار کر لیے گئے تھے۔ حجاج نے ان سب کو، جن میں اعشیٰ ہمدان بھی شامل تھے، قتل کرا دیا تھا[۳۲]۔

۳۰۔ حارث بن مُرّہ عبدی

بعض اصحابِ تاریخ و سیرت نے حارث بن مُرّہ عبدی کو تابعی اور بعض نے مدرک صحابی قرار دیا ہے۔ ان کا تعلق عرب کے ممتاز قبیلے عبدالقیس سے تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معتمد علیہ ساتھی اور بہت بڑے معاون تھے۔ ۳۷ ہجری میں جنگِ صفین کا واقعہ پیش آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں نہایت سرگرمی کا ثبوت دیا اور میسرہ کے کمان دار مقرر ہوئے۔ اس جنگ میں کئی قسم کی تکلیفیں برداشت کیں۔ حضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں اور ان کے حکم سے ۳۸ ہجری کو حدودِ ہند میں داخل ہوئے۔

حارث بن مُرّہ کی سخاوت اور شجاعت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن ہزار آدمیوں کو آزاد کرنے کی قسم کھائی اور پانچ سو شہسواروں پر حملہ کیا۔

---

[۳۲] رجال السند والہند ص ۳۸، ۳۹ ۔ بحوالہ الاغانی ۔

ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ حارث بن مرّۃ اور ان کے بعض ساتھیوں نے ۴۲ ہجری کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے قلات میں جامِ شہادت نوش کیا۔[۳۴]

۳۱- حارث بیلمانیؒ

حارث بیلمانی وہ تابعی تھے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور و ممتاز صحابی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایتِ حدیث کا شرف حاصل کیا۔ پھر خود مسندِ تدریس آراستہ کی اور ان سے جو حضرات سماعِ حدیث کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے، ان میں ان کے بیٹے محمد بیلمانی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

بیلمان، بھیلمان کی تعریب ہے۔ اُس زمانے میں یہ ایک گاؤں یا قصبہ تھا، جو سندھ، گجرات کاٹھیاواڑ اور مارواڑ کے درمیان کہیں واقع تھا۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حارث کس علاقے اور شہر سے بھیلمان آئے، کب آئے، کس سلسلے میں آئے، کتنا عرصہ وہاں قیام رہا اور ان کی کیا سرگرمیاں تھیں۔[۳۵]

۳۲- ایوب بن زید ہلالیؒ

ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ایوب بن زید بن قیس بن زرارہ بن سلمہ بن جشم بن مالک بن عمرو بن زید بن منات۔ ایوب کی کنیت ابو سلیمان تھی اور ان کا تعلق عرب کے قبیلے بنی ہلال بن ربیعہ سے تھا، اس لیے ہلالی کہلاتے تھے۔ ان پڑھ دیہاتی تھے۔

---

[۳۴] رجال السند والہند ص ۳۷۸

[۳۵] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۰۴ و ۲۹۴، ۲۹۵۔ بضمن محمد بن الحارث البیلمانی و محمد بن عبدالرحمٰن البیلمانی۔

بعض صحابہ کرام کی خدمت میں رہے، اس لیے تابعی ہوئے۔ بڑے لسّان اور خطیب تھے۔ ابنِ خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ ایوب بن زید ہلالی وہ اَن پڑھ دیہاتی تھے، جن کا شمار عرب کے مشہور فصیح و بلیغ خطیبوں میں ہوتا ہے۔

ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سندھ، ہندوستان، مکران اور بامیان کے علاقوں میں بغرضِ جہاد و سیاحت آئے اور ان علاقوں کی آب و ہوا، تہذیب و ثقافت اور معاشرت کے بارے میں بہت سی معلومات فراہم کیں۔

۸۲ ہجری میں ایک مشہور اموی جرنیل عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث نے قیامِ سیستان کے زمانے میں جب یوسف بن حجاج کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو حجاج نے ایوب بن زید کو عبدالرحمٰن کے پاس بھیجا۔ وہ یہاں آئے تو عبدالرحمٰن کے ہم نوا ہو گئے اور اموی خلیفہ عبدالملک اور عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کی مخالفت کرنے لگے۔ حجاج نے رے اور اصفہان وغیرہ کے عمّال کو خطوط بھیجے کہ عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کا تعاقب کیا جائے اور ان میں سے جو شخص قابو میں آئے، اسے گرفتار کر کے میرے پاس بھیجا جائے۔ چنانچہ حجاج کے حکم سے جو لوگ گرفتار ہوئے، ان میں ایوب بن زید بھی شامل تھے۔ جب انھیں حجاج کے سامنے پیش کیا گیا تو اُس نے ان سے مختلف ملکوں، متعدد علاقوں اور عرب کے بہت سے شہروں اور قبیلوں کے بارے میں سوالات کیے، جن کے جواب انھوں نے نہایت فصیح و بلیغ زبان میں دیے اور حجاج سے کہا جو جی چاہے پوچھیے، میں جواب کے لیے حاضر ہوں۔

ہمارے موضوع کا تعلق چونکہ برصغیر پاک و ہند سے ہے، اس لیے یہاں صرف وہی سوال و جواب درج کیے جا رہے ہیں، جو موضوعِ کتاب سے ہم آہنگ ہیں۔

حجاج نے کہا ہندوستان کے بارے میں بتاؤ، کیسا ملک ہے، اس کے باشندے کن عادات و اطوار کے حامل ہیں اور وہاں کی آب و ہوا کیسی ہے۔؟ جواب دیا:

بحرھا دُرّ، وجبلھا یاقوت، وشجرھا عود، وورقھا عطر واھلھا

طَعَامہ کقطع الحمام ۔

اس کے دریا موتی اگلنے والے، پہاڑ لعل و یاقوت کی کانیں، درخت عود و صندل کے حامل، پتّوں میں خوشبو اور مہک، اس کے باشندے کم عقل فاختاؤں کی طرح ٹکڑیوں میں بکھرے ہوئے ۔

حجاج نے مکران کے بارے میں سوال کیا تو ایوب بن زید نے جواب دیا ۔

ماءُھا وشل، وتمرھا دقل، وسھلھا جبل، ولصھا بطل، ان کثر الجیش فیھا جاعوا وان قلوا ضاعوا ۔

مکران میں پانی کم، کھجوریں ردّی، میدان پہاڑوں کی مانند، چور بے باک، فوج زیادہ ہو تو بھوک کا خطرہ، کم ہو تو ضائع ہو جانے کا اندیشہ ۔

ایوب بن زید نہ پڑھنا جانتے تھے نہ لکھنا ۔ لیکن اللہ نے ان کو فصاحت و بلاغت کی نعمت سے نوازا تھا ۔ تحریر و کتابت کے لیے ایک شخص ان کے ساتھ رہتا تھا، کوئی بات معرضِ کتابت میں لانا ضروری ہوتی تو وہ قلم و قرطاس لے کر حاضر ہو جاتا اور لکھ لیتا ۔

حجاج بن یوسف نے ۸۴ ہجری میں اُنھیں قتل کرادیا تھا ۔[۳۶]

۳۳ ۔ حری بن حری باہلی رحمہ اللہ

حری بن حری باہلی وہ تابعی ہیں جن کو عبید اللہ بن زیاد نے خطۂ ہند کے مفتوحہ علاقوں کا والی مقرر کیا تھا ۔ ان کی کمان میں ہندوستان کی طرف جو فوج روانہ کی گئی تھی، اس نے متعدد علاقے فتح کیے اور کامیاب و کامران واپس گئی ۔ اس فوج نے جہاں جہاں جنگ کی، وہاں سے مالِ غنیمت بھی اس کے ہاتھ آیا ۔ حری

---

[۳۶] تفصیل کے لیے دیکھیے وفیات الاعیان ج ۱ ص ۲۲۷ تا ۲۳۲ ۔
رجال السند والہند ص ۳۶۰، ۳۶۱

بن حری دراصل حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی فوج کے ایک حصے کے قائد تھے۔ [۳۷]

تاریخ ورجال کی کتابوں سے یہ پتا نہیں چل سکا کہ حری بن حری باہلی نے کن صحابہ کرام سے حدیثِ رسول کی سماعت و روایت کا شرف حاصل کیا۔

۳۴۔ عبّاد بن زیاد اموی رح

عبّاد بن زیاد بن ابوسفیان۔ عبّاد کے والد وہی زیاد ہیں جو دراصل ابوسفیان کے بیٹے تھے اور پہلے اُنھیں زیاد بن ابیہ کہا جاتا تھا، بعد میں زیاد بن ابوسفیان کہلائے۔ زیاد کی کنیت ابوحرب تھی اور یہ عبیداللہ بن زیاد کے بھائی تھے۔

عباد تابعی تھے۔ اُنھوں نے عروہ بن مغیرہ بن شعبہ اور حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ دونوں بھائیوں سے روایتِ حدیث کی۔ خود ان سے زُہری اور مکحول نے روایت کی، جن کا شمار اکابر ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ مسح علی الخفین کی حدیث عباد بن زیاد سے مروی ہے۔ ابن حبّان کا کہنا ہے کہ یہ ثقات میں تھے۔

بقول خلیفہ کے ۵۳ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُن کو سجستان کا والی مقرر کر دیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق سجستان سندھ میں تھا اور اس کے کچھ حصے کو اب سیون شریف کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے سجستان کے والی عبیداللہ بن ابوبکرہ تھے۔ حضرت معاویہ نے ۵۳ ہجری میں عبیداللہ کو اس منصب سے علیحدہ کر دیا تھا اور ان کی جگہ عباد کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا۔

عباد نے افغانستان کے شہر قندھار اور اس کے گرد و نواح میں دشمنانِ اسلام سے جہاد کیا اور ہندوستان کے بعض ان علاقوں میں جو بت خانوں کی حیثیت سے مشہور تھے یا ان کے قرب و جوار میں تھے، جنگیں لڑیں، جن میں یہ کامیاب رہے اور

---

[۳۷] فتوح البلدان ص ۴۲۲

اہلِ ہند کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ نے پہلے عباد کے والد زیاد کو سجستان کا والی بنایا تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ عہدہ ان کے بیٹے عباد کے سپرد کیا گیا۔ عباد سات سال سجستان کے عہدۂ ولایت پر متمکن رہے۔

عباد نے حدودِ سجستان اور حدودِ ہند کے کئی مقامات میں سلسلۂ جہاد جاری رکھا۔ ایک مرتبہ وہ دریائے سندھ عبور کر کے ہندوستان کے بعض علاقوں میں داخل ہوئے اور رن کچھ تک پہنچے۔ اس نواح میں کچھ عرصہ ان کا قیام رہا۔ وہاں سے قندھار کا عزم کیا۔

ابن المفرغ نے ان کے بارے میں جو اشعار کہے ہیں، ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

کم بالجروم وارض الھند من قدم
ومن سرابیل قتلی لا ھم قبروا
بقندھار ومن یکتب منیتہ
بقندھار یرجم دونہ الخبر

عباد بن زیاد اموی نے ۱۰۰ ہجری میں وفات پائی۔[۳۵]

۳۵۔ یزید بن مفرغ حمیری رح

یزید بن زیاد بن ربیعہ بن مفرغ بن ذی العشیرہ بن حارث حمیری۔ یزید کی کنیت ابو عثمان تھی اور یہ تابعی تھے۔ دورِ بنو امیہ کے قادر الکلام شاعر اور ادیب تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ عبیداللہ بن زیاد کی ہجو کی تھی، جس کی پاداش میں عبیداللہ

۳۵؎ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹۳، ۹۴ ــ رجال السند والہند ص ۴۳۵، ۴۳۶۔

نے انھیں سخت سزا دی تھی اور کچھ عرصہ جیل میں قید رکھا تھا۔

یزید بن مفرغ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ پیکرِ صبر و قناعت، باہمت اور مجاہد تھے۔ جن دنوں عبّاد بن زیاد ہندوستان اور قندھار کے علاقوں میں غیر مسلموں کے خلاف مصروفِ جہاد تھے، یزید بن مفرغ ان کے ہم رکاب تھے۔ اس مردِ مجاہد نے ہندوستان کے علاقے رن کچھ میں بھی کفار کے ساتھ جہاد کیا۔

ایک روایت کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو علاقۂ ہند کی طرف روانہ کیا تھا۔ انھوں نے ۶۹ ہجری میں وفات پائی ۳۹ھ

۳۶۔ رُبَیّع بن صبیح سُعْدی بصری رح

رُبَیّع بن صبیح سعدی بصری کی کنیت ابوبکر تھی اور ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ ابوحفص تھی۔ اہل بصرہ سے تعلق رکھتے تھے، لہذا بصری کی نسبت سے شہرت پائی۔ بنوسعد بن زید مناۃ بن تمیم کے مولیٰ تھے، اس لیے سُعْدی کہلائے۔

ربیع بن صبیح جلیل القدر تابعی تھے۔ حسن بصری، حمید الطویل، یزید رقاشی، ابوالزبیر، ثابت بنانی اور مجاہد بن جبیر وغیرہ حضرات کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیا اور روایتِ حدیث کی۔ حصولِ علمِ حدیث کے بعد خود مسندِ تدریس بچھائی اور ان سے سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، وکیع، ابن مہدی اور عاصم بن علی وغیرہ بڑے بڑے محدثین نے حدیث کی سماع و روایت کا شرف حاصل کیا۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب کی تیسری جلد میں ان کے متعلق مختلف محدثین کی آرا خاصی تفصیل سے بیان کی ہیں جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں۔

۳۹ھ وفیات الاعیان ج ۵ ص ۳۸۴ ـ الاغانی ج ۷ ص ۲۲۹ ـ فتوح البلدان ص ۴۲۲ ـ رجال السند والہند ص ۵۵۳ ـ العقد الثمین فی فتوح الہند و من ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین ص ۱۰۹

بصرے کے یہ عالی مرتبت عالم، عابد و زاہد اور شب زندہ دار تھے۔ انھوں نے باقاعدہ جہاد میں حصہ لیا اور عرب مجاہدین کے ساتھ سرزمینِ ہند میں داخل ہوئے۔ ابنِ سعد کی روایت کے مطابق اس مردِ مجاہد نے بغرضِ جہاد بحری راستے سے عزمِ سندھ کیا۔ سمندر میں وفات پائی اور بحرِ ہند کے ایک جزیرے میں دفن کیے گئے۔ حافظ ابن حجر نے رامہرزی کی کتاب الفاصل کے حوالے سے لکھا ہے کہ ربیع بن صبیح پہلے شخص ہیں، جنھوں نے بصرے میں کوئی کتاب تصنیف کی۔ انہ اوّل من صنّف بالبصرۃ۔ [۴۰]

ان کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ۱۵۹ ہجری میں عرب تاجروں کو اہلِ گجرات سے کوئی ایسی شکایت پیدا ہوئی، جس کی وجہ سے جنگ ناگزیر ہو گئی۔ اس کے لیے عباسی خلیفہ مہدی نے عبدالملک بن شہاب مسمعی کے زیرِ کمان ایک بحری بیڑا روانہ کیا۔ یہ بیڑا ۱۶۰ھ میں بھاڑبھوت پہنچا، جو بھڑوچ سے سات میل کے فاصلے پر بجانبِ مغرب ایک کچی بندرگاہ تھی اور وہاں سمندر کے مدوجزر کے ساتھ جہاز آتے جاتے تھے۔ زمین پر قدم رکھتے ہی اسلامی فوج نے غیر مسلموں پر حملہ کر دیا۔ اہلِ اسلام کی اس باقاعدہ فوج میں بہت سے رضا کار بھی تھے، جن کے سالار ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری تھے، جن کی ایک کنیت ابوحفص تھی۔ ان کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ انھوں نے اسلامی فوج کے سامنے جہاد کے موضوع پر زوردار تقریر کی اور اس کو جہاد کے لیے جوش دلایا۔ اس کے بعد عرب مسلمانوں نے حملہ کر دیا اور مخالفینِ اسلام، اسلامی فوج کے اس پُرزور حملے کو روک نہ سکے۔

حملے کی تاب نہ لا کر باشندگانِ گجرات شہر میں چلے گئے اور پھاٹک بند کر لیا، اسلامی فوج نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے طول پکڑا تو لوگ تنگ آ گئے۔ آخر ایک دن عرب فوج شہر میں داخل ہو گئی اور شہر فتح کر لیا گیا۔ لوگ بھاگ کر بدھوں کے

---

[۴۰] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۷

ایک عبادت خانے میں داخل ہو گئے۔ عربوں کو اس عبادت خانے پر قلعے کا شبہہ گزرا اور انھوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا اور جلد فتح کرنے کے لیے آتش گیر مادہ پھینکا، جس سے عبادت خانے میں آگ بھڑک اٹھی۔ کچھ لوگ جل کر مر گئے، باقی گھبراہٹ کے عالم میں باہر نکلے جو تہ تیغ کر دیے گئے۔

اس جنگ میں انتالیس ۳۹ عرب مسلمان شہید ہوئے۔ اتفاق سے یہ وہ دن تھے، جب وہاں ایک میلہ لگتا تھا، جس میں قرب وجوار کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ چوں کہ میلے میں شامل ہونے والوں کا بہت اژدھام تھا اور ساتھ ہی آتش گیر مادے کا اثر فضا میں پھیل گیا تھا، اس لیے شہر میں وبا پھوٹ پڑی، جس سے ایک ہزار مسلمان موت کا لقمہ بن گئے، جن میں ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری بھی تھے۔ یہ ۱۶۰ھ کا واقعہ ہے۔[۱۴۱]

۳۷۔ مجاعہ بن سِعر تمیمی رح

مجاعہ بن سِعر کے ایک بھائی کا نام قاسم تھا۔ یہ دونوں بھائی۔ مجاعہ اور قاسم — عرب کے اشراف واعیان میں گردانے جاتے تھے۔

مجاعہ وہ تابعی تھے، جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایتِ حدیث کی، اور خود ان سے علی بن زید بن جدعان نے حدیث کے بیان وروایت کا شرف حاصل کیا۔

اموی حکمران عبدالملک بن مروان نے مجاعہ کو پہلے عمان کا امیر مقرر کیا، اس کے بعد ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کی امارت ان کے سپرد کی گئی۔ سندھ کے

---

۱۴۱ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۸ ——— تاریخ الکامل ابن اثیر ج ۵ ص ۵۵ ——— رجال السند والہند ص ۲۰۴ تا ۲۰۴

والی بھی مقرر ہوئے۔ علاقہ مکران میں جہاد کیا اور وہیں وفات پائی [۴۲]

۳۸۔ عطیہ بن سعد عوفی رح

عطیہ بن سعد بن جنادہ عوفی کوفی جدلی۔ ان کی کنیت ابوالحسن تھی۔

عطیہ بن سعد نے ابوہریرہ، ابوسعید خدری، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، زید بن ارقم، عکرمہ، عدی بن ثابت اور عبدالرحمٰن بن جندب سے روایت حدیث کی۔ خود عطیہ سے حجاج بن ارطاۃ، عمرو بن قیس ملائی، محمد بن جحادہ، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، مطرف بن طریف، اسماعیل بن خالد، سالم بن ابوحفصہ اور عطیہ کے بیٹوں حسن، عمر اور اعمش نے حدیث و روایت کا سماع کیا۔

کہا جاتا ہے ان کی ولادت ہوئی تو ان کے والد (سعد) انھیں کوفے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا: اس بچے کا نام تجویز فرمایئے۔ حضرت علی نے فرمایا: ھٰذا عطیۃ اللہ۔ چنانچہ یہ عطیہ کے نام سے موسوم ہوئے۔

عطیہ، بسلسلۂ جہاد محمد بن قاسم کے ساتھ وارد ہند ہوئے تھے۔ آرمائیل سے چلتے وقت محمد بن قاسم نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا تو عطیہ بن سعد کو فوج کے میمنہ پر متعین کیا۔

فتح ملتان کے وقت یہ محمد بن قاسم کے ساتھ تھے۔ اس سے کچھ عرصے بعد واپس کوفے چلے گئے تھے۔ پھر وہیں رہے اور وہیں ۱۱۱ھ کو وفات پائی [۴۳]

---

[۴۲] التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۲۰۱، ۲۰۲ — جمھرۃ انساب العرب ص ۲۱۷ — رجال السند والھند ص ۵۱۰، ۵۱۱ — العقد الثمین فی فتوح الھند ومن ورد فیھا من الصحابۃ والتابعین ص ۱۱۷، ۱۱۸ و ۱۲۲، ۱۲۳ —

[۴۳] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۰۴ — تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۲۴ تا ۲۲۶ — رجال السند والھند ص ۴۵۵ —

۳۹ - حسن بصری رحمہ اللہ

حضرت حسن بن ابو الحسن یسار بصری - ان کی کنیت ابو سعید تھی۔ بہت بڑے عالم و زاہد، عابد و متقی اور حسین و جمیل تھے۔ کبار اور مشاہیر تابعین کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور تمام اوصافِ حسنہ سے نوازے گئے۔ ان کے والد کا نام یسار تھا اور کنیت ابو الحسن تھی۔ انھیں عراق کی ایک جنگ میں قیدی کی حیثیت سے مدینہ منورہ لایا گیا تھا اور پھر حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے خرید کر ان کو آزاد کر دیا تھا۔ حسن بصری کی والدہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ کنیز تھیں اور ان کا نام خیرہ تھا۔

حضرت حسن بصری مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وادی القریٰ کے مقام میں تربیت کی منزلیں طے کیں۔ زہد و تقویٰ کے ساتھ ساتھ مجاہد اور جنگ جو بھی تھے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ کئی مرتبہ خراسان، کابل اور سجستان کی جنگوں میں شریک ہوئے۔ ۳۰ ہجری میں حضرت رُبَیّع بن زیاد حارثی سجستان کے محاذ پر روانہ ہوئے تو حسن بصری ان کے سیکرٹری تھے۔ ڈھائی سال کے لگ بھگ حضرت ربیع اس علاقے کے امیر رہے۔ اس اثنا میں انھوں نے فہرج، زالق، کرکویہ، زرنگ وغیرہ متعدد مقامات فتح کیے۔ حسن بصری ہر مہم اور ہر فتح میں ان کے ہم رکاب تھے۔ قاضی اطہر مبارک پوری کی تحقیق کے مطابق فہرج کی فتح علاقہ سندھ کی فتح تھی، کیونکہ یہ شہر سندھ میں واقع تھا۔

۴۲ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حکومت میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے ایک لشکر کے ساتھ سجستان کا عزم کیا تو حسن بصری اس میں شامل تھے۔ سجستان اور خراسان کے غزوات تین سال تک جاری رہے۔ حسن بصری نے ان غزوات میں خوب دادِ شجاعت دی اور فتح و کامرانی سے ہم کنار ہوئے۔

یہ علاقے جغرافیائی اعتبار سے برصغیر کے بلاد و قصبات سے ملے ہوئے

تھے۔ اس زمانے میں برصغیر کے بعض مقامات بھی فتح ہوئے۔

حضرت امام حسن بصری کسی ایسی مہم میں تو شامل نہیں ہوئے، جس کا تعلق براہِ راست برصغیر کے کسی شہر اور علاقے سے ہو، البتہ سجستان اور خراسان کی جنگوں کے سلسلے میں وہ حدودِ سندھ میں ضرور تشریف لائے۔

حسن بصری کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ انھوں نے متعدد اکابر صحابہ کا زمانہ پایا اور ان سے سماع و روایتِ حدیث کا شرف حاصل کیا۔ ۱۱۰ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

حسن بصری بہت سے اوصاف کے مالک تھے۔ ان میں ایک بڑی صفت یہ پائی جاتی تھی کہ نہایت فصیح البیان اور بلیغ الکلام تھے۔ ابوعمر بن علا کہتے ہیں، میں نے حسن بصری اور حجاج بن یوسف ثقفی سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔

ان سے سوال کیا گیا: ان دونوں میں زیادہ فصیح کون تھا۔؟

جواب دیا: حسن بصری۔!

محمد بن سیرین جو بہت بڑے محدث و فقیہہ اور پیکرِ زہد و اتقا تھے، ممتاز تابعی تھے اور تعبیرِ رویا میں مشہور تھے، بصرے میں رہتے تھے اور حسن بصری کے معاصر تھے۔ حسن بصری کی وفات سے پہلے ان سے کسی نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک پرندہ مسجد کا بہترین تنکا اُٹھا کر لے گیا ہے۔

محمد بن سیرین نے کہا: اگر تو نے اسی طرح خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ حسن بصری جلد وفات پا جائیں گے۔

چنانچہ اس سے تھوڑے دن بعد حسن بصری کا انتقال ہو گیا۔[۴۴]

---

[۴۴] خلافت راشدہ اور ہندوستان ص ۲۶۷، ۲۶۸ ۔ وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۵۴ ۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۳ ۔

۴۰۔ صیفی بن فسیل شیبانی رح

صیفی بن فسیل کا تعلق قبیلہ بنو ربیعہ سے تھا۔ قاضی اطہر مبارک پوری کے بقول ان کے والد کا نام تاریخ کی مختلف کتابوں میں مختلف صورتوں میں مرقوم ہے۔ طبقات ابن سعد میں قسیل (قاف کے ساتھ) تاریخ یعقوبی میں فسیل (فا کے ساتھ) تاریخ خلیفہ بن خیاط میں لبسیل (با کے ساتھ) اور تاریخ طبری میں نسیل (نون کے ساتھ) مرقوم ہے۔ معلوم ہوتا ہے صحیح لفظ فسیل (فا کے ساتھ) ہے۔

طبقات ابنِ سعد میں ان کا تذکرہ ان کی بیوی سُبیّہ بنتِ عمیر شیبانیہ کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ وہ تابعیہ تھیں اور بصرہ میں مقیم تھیں۔ حضرت عثمان اور حضرت علی سے اُنھوں نے روایت حدیث کی۔

حضرتِ عثمان کے عہدِ خلافت میں ان کے شوہر حضرت صیفی جہاد کے سلسلے میں قندابیل گئے جو علاقہ سندھ کا شہر تھا۔ بیوی کو اطلاع پہنچی کہ قندابیل میں ان کے شوہر صیفی وفات پا گئے ہیں۔ اُنھوں نے ایک اور شخص عباس بن طریف قیسی سے نکاح کر لیا۔ اس پر کچھ عرصہ گزرا تھا کہ صیفی واپس آ گئے۔ اب معاملہ حضرت عثمان کے سامنے پیش کیا گیا تو صیفی دوسرے شوہر کے حق میں دست بردار ہو گئے۔

حضرت صیفی بن فسیل، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سے تھے اور حضرت معاویہ کے نقطۂ نظر کے مخالف تھے۔ ۵۱ یا ۵۲ ہجری میں ان کے بعض رفقا کے ساتھ اُنھیں قتل کر دیا گیا تھا۔[۴۵]

---

[۴۵] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۷۰ ــــ تاریخ طبری ج ۵ ص ۲۷۱ ــــ خلافت راشدہ اور ہندوستان ص ۲۷۲، ۲۷۳

۴۱۔ ابوسالمہ زُطّی

ابوسالمہ زُطّی کا تعلق برصغیر کے ان جاٹوں سے تھا جو عرب کے بعض علاقوں میں سکونت پذیر تھے۔ نہایت متقی اور انتہائی عابد و زاہد تابعی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بصرے کے سرکاری خزانے کی نگرانی پر جو لوگ متعین تھے، وہ برصغیر کے وہ جاٹ اور سیابجہ تھے، جنھوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بصرے میں اقامت گزیں تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد چالیس اور ایک کے مطابق چار سو تھی۔ ممکن ہے مختلف اوقات میں چالیس سے لے کر چار سو آدمی تک خزانے کی نگرانی کرتے اور اس کی پہرے داری کے فرائض سرانجام دیتے ہوں، اس تعداد میں سے مختلف اوقات میں، مختلف لوگ پہرے پر آتے ہوں۔ یا راوی کو صحیح تعداد سمجھنے میں غلطی لگی ہو، کسی راوی نے چالیس سمجھ لیا، کسی نے چار سو سمجھ لیا۔

ابوسالمہ زُطّی ان پہرے داروں اور محافظوں کے سردار تھے۔ بلاذری کے الفاظ ہیں۔

وکان علی السیابجۃ یومئذٍ ابو سالمۃ الزطی وکان رجلاً صالحاً۔ [۴۶]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بصرے کے خزانے کے ہندی محافظوں کے سردار ابوسالمہ زُطّی تھے جو ایک صالح آدمی تھے۔

۳۶ ہجری میں جنگ جمل سے کچھ عرصہ پہلے اُنھیں اُن کے تمام ماتحتوں اور ساتھیوں سمیت خزانے کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا گیا تھا۔

---

[۴۶] فتوح البلدان ص ۳۶۹

۴۲- محمد بن قاسم

ولید بن عبدالملک ۸۶ھ میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوا اور ۹۶ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس نے نو سال آٹھ مہینے حکومت کی۔ اس کے زمانے میں حجاج بن یوسف عراق اور دیگر مشرقی ملکوں کا گورنر تھا۔ ولید کی وفات سے ایک سال پہلے رمضان ۹۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

حجاج بن یوسف کا تعلق قبیلہ بنو ثقیف سے تھا۔ اسی قبیلے سے محمد بن قاسم کا تعلق تھا۔ ۸۳ھ میں حجاج نے محمد بن قاسم کو فارس کی مہم پر روانہ کیا اور کردوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ اس نے نہایت سرگرمی اور جنگی حکمتِ عملی سے یہ خدمت سرانجام دی اور کُرد قبائل کے مقابلے میں کامیاب رہا۔

اس کے بعد ۹۳ھ میں اسے سندھ کے علاقے پر فیصلہ کن حملے کا حکم ملا۔ جب اس نے فارس سے سندھ کی طرف یلغار کی اس وقت چھ ہزار باقاعدہ شامی فوج اس کے زیرِ کمان تھی۔ ایک روایت کے مطابق اس کی بری اور بحری فوج بیس ہزار افراد پر مشتمل تھی، جس کے ساتھ وہ سندھ پر حملہ آور ہوا اور پورا علاقہ فتح کر لیا۔ سندھ کے علاوہ ہندوستان کے بھی متعدد مقامات زیرِ نگیں کیے اور ان پر اسلامی پرچم لہرایا۔

محمد بن قاسم عراق کے شہر بصرہ کے رہنے والے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی، جن کی وفات باختلافِ روایات ۹۱ یا ۹۲ یا ۹۳ھ میں بصرے میں ہوئی یہیں قیام فرما تھے۔ اس

وقت محمد بن قاسم کی عمر اٹھائیس برس تھی اور وہ بلادِ فارس اور خطۂ ہند میں مصروفِ جہاد تھا۔ یقین ہے کہ محمد بن قاسم نے حضرت انس بن مالک کو دیکھا ہوگا، اہل بصرہ کی طرح ان سے ملا ہوگا اور ان سے استفادہ کیا ہوگا۔

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

محمد بن قاسم کے بارے میں چند غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے۔

مشہور ہے کہ محمد بن قاسم رشتے میں حجاج بن یوسف کا حقیقی بھتیجا تھا۔ یہ صحیح نہیں، وہ حقیقی بھتیجا نہ تھا، رشتے داری میں بھتیجا ہوگا۔

کہا جاتا ہے کہ حجاج کی بیٹی زینب سے محمد بن قاسم کی شادی ہوئی تھی۔ روایات سے یہ بات بھی پایۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔

بعض مورخین کا کہنا ہے کہ محمد بن قاسم نے جب ہند اور سندھ کی طرف فاتحانہ پیش قدمی کی اس وقت اس کی عمر سولہ یا سترہ سال تھی، یہ قطعاً غلط ہے۔ ابن قتیبہ نے عیون الاخبار میں، یاقوت حموی نے معجم البلدان میں، بلاذری نے فتوح البلدان میں اور دیگر مستند مورخین نے لکھا ہے کہ ۸۳ھ میں فارس اور شیراز کی ولایت اس کے سپرد کی گئی اور اس نے کردوں کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ فتح سندھ و ہند کا واقعہ اس سے دس سال بعد ۹۳ھ میں ہوا۔ اگر ۹۳ھ میں اس کی عمر سترہ سال مان لی جائے تو ۸۳ھ میں جب اس نے فارس کے علاقے کی زمام ولایت ہاتھ میں لی اور کردوں سے برسرپیکار ہوا، اس کی عمر صرف سات سال تھی، اور یہ قطعاً غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب وہ ولایتِ فارس کے لیے روانہ ہوا، اس کی عمر سترہ سال تھی۔ بعض شعرا نے اس کی بہادری اور شجاعت سے متاثر ہو کر اس کے محاسن ومفاخر بیان کیے تو کچھ لوگوں نے سمجھ لیا کہ حملۂ سندھ وہند کے وقت وہ سترہ سال کا تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس وقت وہ ستائیس اٹھائیس برس کا تھا۔

یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے چند سو فوجیوں کے ساتھ سندھ پر حملہ کیا تھا۔

اس میں بھی کوئی صداقت نہیں۔ سندھ پر حملے کے وقت اس کی بری اور بحری فوج کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ تھی۔ چند سو آدمیوں کے ساتھ اتنے دور دراز علاقے پر حملہ کرنے کا کوئی حکومت یا فوج تصور بھی نہیں کر سکتی۔

ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں لکھا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں جب محمد بن قاسم کو علاقۂ سندھ سے گرفتار کر کے جیل میں ڈالا گیا تو اس کی نگرانی پر یزید بن مہلّب کو مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے اس کو اتنی شدید سزائیں دیں کہ وہ برداشت نہ کر سکا اور خودکشی کر لی۔ ابن حزم کی یہ بات صحیح نہیں۔ خودکشی کی روایت کا تعلق بعض مورخین کے نزدیک عمر بن محمد بن قاسم سے ہے جو محمد بن غزان کلبی کی قید میں تھا۔ ابن حزم کو اصل نام سمجھنے میں سہو ہو گیا ہے۔

بہر حال قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسم تابعی تھے اور انھوں نے اپنے شہر بصرہ کے آخری صحابی حضرت انس بن مالک اور اس نواح کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے استفادہ کیا ہوگا، اسی لیے ہم ان کا شمار ان عالی مرتبت تابعین میں کر رہے ہیں جو وارد برصغیر ہوئے۔

محمد بن قاسم خیر القرون کی جلیل القدر شخصیت تھے۔ صالحیت، تقویٰ شعاری، علم و عرفان، بہادری، شجاعت، کشورکشائی، فنون حرب کی معرفت و مہارت اور انتظامی صلاحیتوں سے بہرہ وری میں بہت مشہور تھے۔ ہم چاہتے ہیں سندھ پر ان کے حملے کا پس منظر اور ان کے جنگی کارناموں کی تھوڑی سی وضاحت کر دی جائے، نیز برصغیر میں ان کی فتوحات اور غیر مسلموں پر ان کے اثر و رسوخ کی وسعتوں کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے۔

گزشتہ صفحات کے مختلف مقامات میں اس حقیقت کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے ابتدائی دور ہی میں برصغیر پاک و ہند کے بہت سے لوگ اسلام سے آشنا ہو گئے تھے اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت نے ان کو اپنے دائرۂ اثر میں لینا شروع کر دیا تھا۔ اسلام کا اوّلین کارواں جس کا جہاز بحرِ ہند کے ساحل پر لنگر انداز ہوا، اور جس نے سب سے پہلے برصغیر کی دہلیز پر قدم رکھا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ صحابہ پر مشتمل تھا۔ اس مقدس گروہ نے ۱۵ ہجری کو خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں قارۂ ہند کا رُخ کیا اور پھر تھوڑے ہی عرصے میں اس سرزمین کے بہت سے حصوں کو پامال کر ڈالا، جن علاقوں کو فتح کیا، ان میں حسبِ حال امارتیں قائم کرتے گئے تاکہ مفتوحہ مقامات نظم و نسق کی سلک میں باقاعدہ طور سے منسلک ہوتے جائیں۔

محمد بن قاسم کے حملے کا پس منظر

برصغیر پر محمد بن قاسم کا حملہ، پہلا حملہ نہیں تھا، اس سے قبل متعدد مرتبہ عرب مسلمان اس وسیع و عریض خطۂ ارض کے مختلف علاقوں کو زیر کر کے وہاں اپنے امیر مقرر کر چکے تھے۔ البتہ یہ ایسا فیصلہ کن حملہ تھا کہ جس نے اس ملک کے بہت سے علاقوں اور شہروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اور اس حملے کا ایک خاص پس منظر تھا۔

علافیوں کی بغاوت اور داہر کی مدد

۶۵ھ میں جب کہ اموی خلیفہ مروان بن حکم کا آخری زمانہ تھا، عمان کے قبیلے بنو سامہ کے دو شخص جو کہ حقیقی بھائی تھے، علاقۂ سندھ کے اس حصے پر پوری طرح غالب اور قابض ہو گئے تھے، جسے مسلمان کچھ عرصہ پہلے فتح کر چکے تھے۔ یہ تھے معاویہ بن حارث علافی اور محمد بن حارث علافی۔ انھوں نے مرکزی حکومت سے بغاوت کی راہ اختیار کر لی تھی اور مرکز کے احکام و ہدایات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ۶۵ھ سے ۷۹ھ تک تقریباً چودہ سال یہی صورتِ حال رہی۔ علافی برادران کی بغاوت کا آغاز مروان بن حکم کے دورِ خلافت میں ہوا تھا۔ انھی دنوں مروان کا انتقال ہو گیا تو عبدالملک بن مروان تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اس کے دور میں بھی کافی عرصہ ان کے انکار و بغاوت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

حجاج بن یوسف عراق اور ممالکِ مشرق کا گورنر تھا، اس حیثیت سے سندھ اور ہند کے معاملات اس کے سپرد تھے۔ اس نے یکے بعد دیگرے کئی جری و شجاع اور فہیم و دانا لوگوں کو سندھ کے مفتوحہ علاقوں کے انتظامی امور کو صحیح خطوط پر چلانے

کے لیے بھیجا، مگر حالات درست نہ ہوئے اور متعدد قابل و لائق آدمی قتل کر دیے گئے۔ علاقی برادران اور اُن کے ہم نواؤں کو درحقیقت راجا داہر کی امداد حاصل تھی۔ اسی کی اعانت اور پشت پناہی کی بنا پر وہ سندھ کے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ جمائے بیٹھے تھے اور مرکز کی نافرمانی کر رہے تھے۔ حجاج بن یوسف نے راجا داہر کو بار بار خط لکھے اور کئی پیغام بھیجے کہ وہ ان باغیوں کی مدد نہ کرے، مگر وہ اس سے باز نہ آیا اور مرکزی حکومت سے بغاوت کرنے والوں کی برابر مدد کرتا رہا۔ راجا داہر کے اس طرزِ عمل سے حجاج بن یوسف کو سخت صدمہ پہنچا۔

عبدالرحمٰن بن محمد کی بغاوت میں غیر مسلم حکمرانوں کی مدد

علافیوں کا زور تو حجاج بن یوسف کی کوششوں سے ٹوٹ گیا، لیکن اس کے فوراً بعد برصغیر کے اسلامی مقبوضات میں ایک اور فتنہ کھڑا ہو گیا۔ اس کی مختصر سی تفصیل یہ ہے کہ ۸۰ھ میں والیٔ عراق حجاج بن یوسف نے عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث کو سجستان کا امیر مقرر کیا، جس نے بڑی فتوحات حاصل کیں اور راس تولح کے حکمرانوں کو ہر میدان میں شکست دی۔ اس کی فتوحات کا دائرہ برصغیر کے بعض مقامات تک پھیلتا چلا گیا۔ ۸۱ھ میں عبدالرحمٰن نے عراق کے علما و قرّا کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ان لوگوں نے پہلے حجاج بن یوسف کے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، پھر خلیفہ عبدالملک بن مروان کی مخالفت میں علمِ جہاد لہرایا۔ مخالفین کی فوج کے بہت سے لوگ سجستان، مکران اور سندھ کے غیر مسلم حکمرانوں کی پناہ میں آگئے تھے اور ان کی انگیخت پر مرکزی حکومت کی شدید مخالفت کر رہے تھے۔ ۸۰ھ سے ۸۵ھ تک چار سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ حجاج بن یوسف کو اس کا بھی شدید قلق تھا اور سندھ کے راجوں مہاراجوں نے جو روش اختیار کر لی تھی، وہ حجاج کے مزاج و فطرت کے قطعی خلاف تھی، جس کا اسے انتہائی رنج تھا۔

راجا داہر کے آدمیوں کا کشتیوں پر حملہ

اسی زمانے میں ایک اور حادثہ رونما ہوا، جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

کچھ عرصے سے عرب کے چند مسلمان خاندان تجارت کے سلسلے میں سرندیپ (سیلون) میں فروکش تھے۔ ان کے آبا و اجداد وفات پا گئے تو سرندیپ کے حکمران نے ان کی عورتوں اور بچوں کو اپنی خاص کشتیوں کے ذریعے واپس عرب بھیجنے کا انتظام کیا۔ ان کا مال و اسباب بھی کشتیوں میں لاد دیا گیا تھا۔

سرندیپ کے راجا نے نہایت اکرام و اعزاز کے ساتھ اپنے قابل اعتماد اور خاص درباری آدمیوں کی نگرانی میں ان لوگوں کو روانہ کیا تھا۔ اس سے اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے، ایسا نہ ہو کہ وہ سرندیپ پر حملہ کر دیں اور اس کی حکمرانی ختم ہو جائے۔ عین ممکن ہے، ان یتیم بچوں اور اور بیوہ عورتوں کے واپس بھیجنے کی بنا پر مسلمان خلیفہ اس کے ملک میں فوجی کارروائی نہ کرے۔ اس نے حجاج بن یوسف اور خلیفہ عبدالملک بن مروان کے لیے قیمتی ہدایا و تحائف بھی ان کشتیوں میں بھیجے تھے۔

یہ کشتیاں سرندیپ سے روانہ ہو کر ساحلِ سمندر کے قریب قریب سفر کرتی ہوئی خلیج فارس کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ وہاں یہ لوگ خشکی پر اتریں گے اور پھر حاکم سرندیپ کے تحائف سمیت حجاج کی خدمت میں کوفے پہنچ جائیں گے۔ لیکن راستے میں بادِ مخالف کے طوفان نے ان کشتیوں کو سندھ کی بندرگاہ دیبل میں لا ڈالا۔ ان کو دیکھتے ہی وہاں بحری ڈاکو اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر آ گئے اور ان کو گھیر لیا۔ حملہ کر کے عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا، ان کا سامان لوٹ لیا اور خلیفہ عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کی طرف جو تحائف بھیجے گئے تھے، وہ ان سے چھین لیے۔

جہاز میں عرب کے قبیلے بنی یربوع کی ایک عورت بھی سوار تھی۔ جب جہاز کو لوٹا اور عورتوں کو گرفتار کیا جا رہا تھا، اس عورت نے نہایت دردناک آواز میں حجاج بن یوسف کی دہائی دی اور پکارا "یا حجّاجاہ"۔ یعنی اے حجاج! تو کہاں ہے، ہماری مدد کو آ ــــ تاریخ کی کتابوں لکھا ہے کہ حجاج کو کسی نے اس

پکار کے بارے میں بتایا تو اس نے جواب دیا! "یالبیک - ! میں اپنی ان تمام فکری و عملی توانائیوں اور ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی ہیں، حاضر ہوں۔

یہ حادثہ راجا داہر کے علاقے میں ہوا تھا اور جن بحری قزاقوں نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا اور لوٹا تھا، وہ داہر کی رعیت تھے جب یہ خبر عراق پہنچی اور اس کی تفصیل حجاج بن یوسف کے علم میں آئی تو وہ سخت پریشان ہوا اور راجا داہر کو پیغام بھیجا کہ جن لوگوں نے یہ حرکت کی ہے، انھیں سزا دی جائے۔ راجا نے حجاج کے پیغام پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ میں ان کو گرفتار کر سکتا ہوں، نہ کوئی سزا دے سکتا ہوں۔ حجاج ایک ملک کے بااختیار حکمران کی طرف سے اس قسم کے جواب کی توقع نہ رکھتا تھا۔ وہ یہ جواب سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ یہ عبدالملک بن مروان کا دورِ حکومت تھا۔ حجاج نے دربارِ خلافت سے داہر پر براہِ راست حملے کی اجازت طلب کی، مگر بعض مصالح کی بنا پر اجازت نہ ملی۔ پھر حجاج نے ڈاکوؤں اور حملہ آوروں کے ٹھکانوں پر حملہ کرنے کے لیے ایک مہم روانہ کی، جو کامیاب نہ ہو سکی۔ دو مرتبہ ایسا ہی ہوا، ڈاکوؤں کو ختم کرنے یا ان کی گوشمالی کے لیے جو کوششیں کی گئیں وہ ناکام رہیں اور ہر مرتبہ مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔

یہ تھے وہ اسباب جنھیں محمد بن قاسم کے سندھ پر فیصلہ کن حملے کا پس منظر کہنا چاہیے۔

اسلامی حکومت کی وسعتِ حدود

عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں عرب باہمی اختلافات کی زد میں تھے، لیکن اس کے باوجود اسلامی حکومت کا دائرہ دور دراز علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ مغرب میں یورپ تک، جنوب میں افریقہ تک، شمال میں قسطنطنیہ تک کے علاقے اس کے زیرِ نگیں تھے اور مشرق میں اس کے مقبوضات حدودِ چین کو چھو رہے تھے۔ حجاج کے لیے یہ سخت اذیت ناک بات تھی کہ راجا داہر اتنی بڑی سلطنت کی صحیح بات ماننے سے صاف لفظوں میں انکار کر رہا تھا حالانکہ

ایک عرصے سے علاقہ سندھ کے بعض مقامات پر مسلمان قابض تھے اور ان کا سلسلۂ ولایت وامارت جاری تھا۔ پھر راجا داہر اور اس کے وزرا وامرا عرب مسلمانوں کی فطرت و طینت سے آگاہ بھی ہو چکے تھے اور مسلمانوں کے جذبۂ ملی اور جوشِ جہاد کے ہر پہلو کا انھیں اچھی طرح علم تھا۔

عبدالملک بن مروان نے بیس برس حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ولید تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ ولید کا عہدِ حکومت ۸۶ھ سے ۹۶ھ تک دس برس پر محیط ہے۔ حجاج نے سندھ اور ہند پر فوج کشی کے لیے اب ولید کی طرف رجوع کیا اور اس سے اجازت طلب کی۔

کئی سال سے عربوں میں جو باہم اندرونی اختلافات جاری تھے، وہ اب بہت حد تک ختم ہو گئے تھے۔ حجاج بن یوسف نے ہر طرف سے فارغ ہو کر خراسان، فارس، سجستان، کرمان، مکران، سندھ اور دیگر مشرقی ملکوں کے انتظامی امور کو مرکزِ توجہ ٹھہرایا اور ان میں جو امرا و حکام پہلے سے متعین تھے، ان کی جگہ نئے امیر اور نئے حاکم مقرر کیے گئے اور ان میں سے ہر ایک کو چوکسی اور مستعدی سے اپنی ذمے داریاں پوری کرنے کی ہدایت کی گئی۔ خراسان کا علاقہ مہلّب بن ابو صفرہ کی امارت میں دیا گیا اور سجستان کی ولایت عبیداللہ بن ابوبکرہ کے سپرد کی گئی۔

۸۳ھ میں فارس اور شیراز کا حاکم محمد بن قاسم کو مقرر کیا گیا۔ ان علاقوں میں مرکزی حکومت کے خلاف کُردوں نے بغاوت کر دی تھی اور نافرمانی اور سرکشی میں بہت آگے بڑھ گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے ان کو چاروں طرف سے گھیر کر شکست دی اور ان کے سرغنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ حالات کے پیشِ نظر اس نے شیراز کو فوجی چھاؤنی اور اس نواح کی حکومت کا دارالامارت بنایا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی اور زمانۂ خلافت عبدالملک بن مروان کا تھا۔

اس سے نو سال بعد ۹۲ھ جب کہ محمد بن قاسم فارس ہی کے منصبِ امارت پر فائز تھے، حجاج نے ان کو ارضِ ہند کی طرف روانہ کیا اور انھیں اس ملک میں جہاد

کرنے کا حکم دیا۔ ان دنوں وہ علاقہ رے کی جنگی مہم پر روانہ ہونے والے تھے، مگر حجاج نے وہاں جانے سے روک دیا اور خطۂ سندھ کی طرف جانے کی ہدایت کی۔ یہ ولید بن عبدالملک کا عہدِ خلافت تھا اور محمد بن قاسم کی عمر اس وقت ستائیس برس کی تھی۔

سندھ پر حملے کی اجازت

حجاج نے ولید سے سندھ پر حملہ کرنے کی اجازت انتہائی عزم و اعتماد کے ساتھ حاصل کی تھی۔ اسے بارگاہِ خداوندی سے پورا یقین تھا کہ نئے انتظامات کے تحت وہ محمد بن قاسم کے زیرِ کمان جو فوج روانہ کر رہا ہے، وہ ضرور فتح و نصرت سے ہم کنار ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ولید کو یہ لکھ کر دے دیا تھا کہ اس جنگ میں جس قدر روپیہ خرچ ہوگا، وہ پورے کا پورا بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا۔ یہ جنگ انتہائی اہمیت کی حامل تھی، اس لیے کہ ایک تو یہ علاقہ سمندر پار کا تھا اور عرب سے بہت دور تھا۔ دوسرے یہ کہ سندھ اور مکران کے علاقوں کی معاشی حالت بہت خراب تھی، تیسری بات یہ تھی کہ یہاں کی آب و ہوا عربوں کے لیے قطعی ناسازگار تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حجاج نے اس فوج کی تمام ضروریات کا پورا خیال رکھا اور خاص طور سے ہدایات دیں کہ روزانہ استعمال میں آنے والی چھوٹی بڑی تمام چیزیں ہر فوجی کے پاس ہونی چاہییں۔ اس نے حکم جاری کیا کہ سوئی دھاگے کا بھی انتظام کیا جائے۔ سندھ میں سرکہ نہیں ملتا تھا، اس لیے سرکے میں روٹیاں تر کر کے سائے میں خشک کی گئیں اور پھر سامان رسد میں نہایت احتیاط کے ساتھ رکھی گئیں، تاکہ فوجی جب میدانِ جنگ میں جائیں اور بھوک کے وقت پانی میں بھگو کر روٹی کھائیں تو اس میں سرکے کا ذائقہ محسوس کریں۔

برّی اور بحری فوج

سندھ پر حملہ کرنے کے لیے برّی فوج کے علاوہ بحری فوج بھی روانہ کی گئی تھی، جس کا بحری بیڑا بہت مضبوط اور مستحکم تھا۔ اس کا انتظام بحری معاملات کے ماہرین کے سپرد کیا گیا تھا جو اس کی نقل و حرکت کے تمام پہلوؤں کی نگرانی کرتے تھے۔

محمد بن قاسم نے جب فارس سے سندھ کی طرف یلغار کی تو بہت بڑی فوج ان کی کمان میں تھی۔ اس کے علاوہ چھ ہزار نفوس پر مشتمل شامی سپاہ ان کے ہم رکاب تھی۔ اور بھی بہت سے رضا کار اور سپاہی ان کے لشکر میں شامل تھے۔ اس ضمن میں بلاذری کے الفاظ لائق تذکرہ ہیں۔

وضم ستة آلاف من جند اهل الشام وخلقا من غيرهم[۴۷]

یعنی حجاج بن یوسف کے علاوہ شام کے چھ ہزار فوجیوں کو محمد بن قاسم کی کمان میں روانہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی اور بہت سے لوگ ان کے لشکر میں شامل کیے۔

تمام جنگی ساز و سامان انھوں نے قیام شیراز کے زمانے میں تیار کیا۔ چھوٹی بڑی چیزوں کو جمع کرنے، فوج کو تربیت دینے اور برصغیر کے حالات و کوائف سے اچھی طرح مطلع ہونے کی غرض سے وہ چھ مہینے شیراز میں مقیم رہے۔ اس کے بعد مکران کی طرف روانہ ہوئے، اور کنیز کے مقام پر پہنچے جو حدِ مکران سے پانچ دن کی مسافت پر تھا۔ کنیز سے مکران کے مرکزی شہر فنز پور کا عزم کیا۔ دو دن میں اس شہر میں آئے اور اس پر علم فتح لہرایا۔ وہاں سے چل کر چار دن میں ارمائیل کے مقام پر آئے اور اُسے فتح کیا۔ مکران کا جو حصہ اس سے چند سال پہلے فتح ہو چکا تھا، اس کے امیر محمد بن ہارون نمیری تھے، وہ بھی اپنی فوج اور ساتھیوں سمیت محمد بن قاسم کے ہم رکاب ہو گئے، مگر راستے ہی میں محمد بن ہارون کا انتقال ہو گیا اور اُنھیں قنبل کے مقام پر دفن کر دیا گیا۔

یہاں یہ یاد رہے کہ ارمائیل کو ارمبیل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مکران اور دیبل کے وسط میں سمندر سے تھوڑی دور واقع تھا۔ اب اسے ارمن بیلہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور قلات ڈویژن میں ضلع لس بیلہ کا صدر مقام ہے، کراچی سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر شمال میں واقع ہے۔

فنز پور اور ارمائیل کے شہر محمد بن قاسم نے اچھی خاصی جنگ کے بعد فتح کیے

---

[۴۷] فتوح البلدان ص ۴۲۴

اور فتح کے بعد کئی مہینے وہاں مقیم رہے۔ ان علاقوں میں اپنے امیر اور والی مقرر کیے اور ان کے انتظامات کو مضبوط و مستحکم رکھنے کے لیے ان کے نام احکام جاری کیے۔

اسلامی فوج کا دیبل پر حملہ اور اس کی فتح

اب محمد بن قاسم نے عساکرِ اسلامی کو دیبل کی طرف حرکت کرنے کا حکم دیا جو ارمائیل سے چار دن کی مسافت پر اس زمانے کا بہت بڑا شہر تھا اور ساحل سمندر پر واقع تھا۔ یہی وہ شہر تھا، جہاں سے بحری ڈاکوؤں نے ان کشتیوں کو لوٹا تھا جن پر سرندیپ کے راجا نے مسلمان عورتوں اور بچوں کو سوار کر کے عراق کی طرف روانہ کیا تھا۔
محمد بن قاسم نے ۹۳ھ کو رمضان کے مہینے میں جمعۃ المبارک کے دن اس شہر کی حدود میں قدم رکھے، اس وقت بہت بڑا لشکر ان کے ساتھ تھا جس کے ایک حصے کی قیادت ابوالاسود جہم بن احمد جعفی کر رہے تھے، جو فارس کی جنگوں میں شان دار خدمات سرانجام دے چکے تھے اور محمد بن قاسم ان کے جنگی کارناموں سے بہت متاثر تھے۔ ہزاروں افراد پر مشتمل بری فوج کے علاوہ تربیت یافتہ بحری بیڑا بھی ساتھ تھا، جس میں فوج، سامانِ جنگ، بہترین اسلحہ، رسد اور بہت سی ضروری چیزیں موجود تھیں۔ اس وقت محمد بن قاسم اٹھائیس برس کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور وہ تجربہ کار جرنیل، بہادر جنگ جو اور صاحبِ تدبیر سپہ سالار اور امیر تھے۔

اس واقعے سے ٹھیک اٹھتر سال قبل ۱۵ ہجری میں برصغیر کی سرزمین میں مسلمانوں کے قدم پہنچ چکے تھے اور اس کے بہت سے حصے ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے آشنا ہو چکے تھے۔ اس کے بعد اس خطۂ ارض کے کئی علاقے مسلمانوں نے فتح کر لیے تھے اور وہاں کسی نہ کسی پیمانے پر ان کی حکومت بھی قائم ہو گئی تھی، لیکن بہت بڑی فوج کے ساتھ اور ایک خاص منصوبے اور اہتمام کے ساتھ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے حملہ کیا اور سندھ کے اس شہر پر کیا، جس کی فتح کے بعد اسلامی فوج مسلسل آگے بڑھتی اور فتوحات حاصل کرتی گئی۔

اسلامی فوج نے دیبل پہنچتے ہی شہر کا محاصرہ کر لیا اور نہایت تیزی کے ساتھ اس کے ارد گرد خندق کھود ڈالی ۔ یہ خندق حجاج بن یوسف کے حکم سے کھودی گئی تھی ۔ اس پر ہزاروں کی تعداد میں بڑے بڑے نیزے گاڑ دیے اور ان پر جھنڈے لہرا دیے گئے ۔ ہر نیزے اور جھنڈے کے نیچے مسلح سپاہی کھڑے کر دیے گئے تھے ۔ فوج کے ساتھ ایک منجنیق تھی، جس کا نام عروس تھا ۔ یہ اتنی بڑی اور وزنی تھی کہ اسے پانچ سو آدمی کھینچتے تھے، اسے نہایت مناسب مقام پر نصب کر دیا گیا تھا ۔

دیبل شہر کے وسط میں ایک بہت بڑا بت خانہ تھا، جس کی چھت پر بڑا مضبوط اور لمبا بانس گڑا ہوا تھا، جو شہتیر سے بھی زیادہ موٹا تھا ۔ اس پر بہت بڑا جھنڈا ہر وقت لہراتا رہتا تھا ۔ جب زیادہ تیز ہوا چلتی تو وہ جھنڈا تمام شہر پر لہراتا اور اس پر اپنا سایہ ڈال دیتا تھا ۔

حجاج بن یوسف کا دھیان ہر وقت سندھ کے محاذِ جنگ کی طرف رہتا تھا اور اس کو خاص طور سے اس نے مرکزِ توجہ قرار دے لیا تھا ۔ محمد بن قاسم کو حکم تھا کہ ہر تیسرے دن اسے محاذ کی صورتِ حال سے مطلع کیا جائے ۔ خود وہ بھی عراق میں بیٹھا ہوا محمد بن قاسم کو جنگ کے سلسلے میں باقاعدہ ہدایات دیتا تھا ۔ دونوں طرف سے التزام کے ساتھ خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا ۔

محمد بن قاسم نے دیبل کے بارے میں پوری تفصیل لکھ کر حجاج کو بھیجی تو اس نے جواب دیا کہ تم اپنی منجنیق عروس کو شہر دیبل کی جانب مشرق میں نصب کرو اور اس بات کا خاص طور سے خیال رکھو کہ اس کا دہانہ اوپر کی طرف ہو ۔ منجنیق چلانے والے کو ہدایت کرو کہ وہ بت خانے کے اس بانس کو نشانہ بنائے، جس کی تم نے اپنے خط میں تفصیل بیان کی ہے، تاکہ باشندگانِ شہر کے دلوں سے بت خانے کی شان و شوکت کا خیال بھی نکل جائے اور ان کا جانی نقصان بھی نہ ہو ۔ چنانچہ اسی طرح منجنیق چلائی گئی تو نشانہ ٹھیک لگا، گولے سے بت خانے کا لمبا بانس ٹوٹ گیا اور جھنڈا زمین بوس ہو گیا ۔

اہلِ شہر کے لیے یہ بہت غم ناک اور باعثِ ملال واقعہ تھا، وہ جوش میں آگئے اور غیظ و غضب سے بے قابو ہوگئے۔ محمد بن قاسم نے جو شہر سے باہر خندق پر کھڑا تھا، ان کو للکارا۔ وہ غصے سے بپھرے ہوئے باہر نکلے اور جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔ شدید جنگ ہوئی اور مسلمان فوجوں نے انھیں شکست دے کر دوبارہ شہر میں گھسنے پر مجبور کر دیا۔ اب اسلامی فوج شہر میں داخل ہونے کے لیے بے تاب تھی، مگر وہ فصیل جو شہر کے ارد گرد حفاظت کے لیے تعمیر کی گئی تھی اور جسے شہر پناہ کہا جاتا تھا، اتنی مضبوط اور اونچی تھی کہ اسے توڑنا بھی مشکل تھا اور اس کے اوپر چڑھنا بھی آسان نہ تھا۔ محمد بن قاسم نے فصیل پر لمبی لمبی سیڑھیاں لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ مضبوط لکڑیوں کی سیڑھیاں لگائی گئیں اور سیڑھیوں کے ذریعے فوج دیبل شہر کے اندر داخل ہوگئی۔ منقول ہے کہ پہلا فوجی جو فصیل پر چڑھا اور شہر میں داخل ہوا وہ کوفے کے قبیلے بنی مُراد سے تعلق رکھتا تھا۔

تھوڑے عرصے میں دیبل فتح ہوگیا اور راجا داہر شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ محمد بن قاسم تین دن اس شہر میں مقیم رہے۔ جو لوگ جنگ میں شریک تھے، انھیں قتل کر دیا گیا۔ جنگ کرنے والوں میں بت خانے کے جو بعض پجاری اور مہنت شامل تھے، انھیں بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پھر شہر کے ایک علاقے میں مناسب مقام پر مسجد تعمیر کی گئی اور چار ہزار مسلمانوں کو اس شہر میں آباد کیا گیا۔

دیبل اس نواح کا بہت بڑا شہر تھا اور علاقے کا مرکزی مقام تھا۔ راجا داہر کا دارالحکومت یہی شہر تھا اور بت خانے کی وجہ سے اس کو اور بھی اہمیت حاصل تھی۔ بت خانے میں سات سو پچاس پجاری اور مہنت ہر وقت موجود رہتے تھے، جن کے پاس نقد روپے اور سونے چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ اس شہر کو فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ انتہائی مشکل مرحلہ تھا جو تاریخ یعقوبی کی روایت کے مطابق کئی مہینوں میں طے ہوا۔ اس کی فتح کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان فوجیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور مخالفوں کی ہمت ٹوٹ گئی۔

دیبل کا محل وقوع

اب سوال یہ ہے کہ دیبل شہر کہاں واقع تھا؟ اور موجودہ دور میں اس کی نشان دہی کیسے کی جا سکتی ہے۔؟ اس سلسلے میں بہت سے اہلِ تحقیق نے بہت کچھ لکھا ہے، لیکن ہم یہاں برصغیر کے ممتاز عالم مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم کی مشہور تصنیف "اسلام کا نظام اراضی" کے ایک اندراج کا خلاصہ بیان کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ اس سے پتا چلے گا کہ دیبل کس مقام کا نام ہے۔ مفتی صاحب کی تحریر کا مفاد یہ ہے کہ دیبل کا محلِ وقوع کراچی کے قرب وجوار میں تھا۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ کراچی کی بندرگاہ کیماڑی سے کچھ فاصلے پر جزیرہ "منورہ" کے پہاڑ کے اوپر جو بہت پرانا قلعہ ہے، وہی دیبل تھا۔ محمد بن قاسم نے منجنیق کے گولے سے جو مینار گرایا تھا وہ اسی قلعے کا مینار تھا بعض حضرات نے ٹھٹھہ شہر کو دیبل قرار دیا ہے۔ یاقوت حموی کے بیان کے مطابق دیبل وہ مقام ہے جو کراچی کے شمال مشرق میں تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر آج "ڈابے جی" کے نام سے مشہور ہے اور اسی نام کا ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ اسٹیشن سے چند فرلانگ دور ساحلِ سمندر پر ایک پُرانے قلعے کے نشان ملے ہیں، پورا قلعہ مٹی کی تہہ میں دبا ہوا برآمد ہوا ہے۔ کھدائی کے دوران وہاں کچھ قبریں بھی پائی گئی ہیں، جن میں مُردوں کے ڈھانچے صحیح سالم موجود ہیں، جن کو محکمہ آثارِ قدیمہ نے آئینے کے خول میں محفوظ کر دیا ہے۔ ان ڈھانچوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ مسلمان شہدا ہیں جنھوں نے دیبل کی فتح کے موقعے پر جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ بعض لاشوں میں تیر پیوست ہیں، تیر کا حصّہ بھی اسی طرح محفوظ ہے۔ اس قلعے کے نیچے سندھ کی قدیم صنعت رنگ سازی کے ایک بڑے کارخانے کے نشان بھی برآمد ہوئے ہیں۔ ممکن ہے، مرورِ ایام سے اس کا نام "دیبل جی" سے بدل کر "ڈابے جی" ہو گیا ہو۔[۴۸]

---

[۴۸] اسلام کا نظام اراضی ص ۲۰۳

نیرون (حیدر آباد) کی طرف پیش قدمی

دیبل کی فتح اور وہاں کے انتظامی امور کی تکمیل کے بعد محمد بن قاسم نے نیرون کی طرف پیش قدمی کی، جو دیبل سے بجانب جنوب چار دن کی مسافت پر تھا۔ نیرون اس زمانے میں وہ شہر تھا، جسے اب حیدر آباد (سندھ) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہاں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ نیرون کے حاکم کا نام سندر تھا جو عملاً راجا داہر کے ماتحت تھا، لیکن اس نے محمد بن قاسم کے حملے سے کئی سال پہلے حجاج بن یوسف کے پاس آدمی بھیج کر اس وقت اس سے صلح کر لی تھی، جب دیبل کے قریب مسلمان عورتوں اور بچوں کا جہاز لوٹا گیا تھا اور حجاج نے راجا داہر کو پیغام بھیجا تھا کہ ڈاکوؤں کو گرفتار کر کے سزا دی جائے، لیکن راجا داہر نے اس پیغام کو درخور اعتنا نہیں سمجھا تھا اور ڈاکوؤں کو گرفتار کرنے اور سزا دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد راجا داہر کے علاقے پر عربوں کے حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اور اس موقعے پر نیرون کے حاکم سندر نے دُور اندیشی سے کام لیتے ہوئے، حجاج بن یوسف کی طرف مصالحت کا پیغام بھیجا تھا، جو حجاج نے منظور کر لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن قاسم نے جب نیرون (حیدر آباد) کی طرف پیش قدمی کی تو سندر سے کوئی تعرض نہیں کیا، نہ سندر نے ان سے لڑائی جھگڑے کی کوشش کی، بلکہ اس نے اور اس کی رعایا نے اس معاہدے پر پورا عمل کیا جو کئی سال پہلے حجاج سے کیا گیا تھا۔

نیرون (حیدر آباد) کے لوگوں نے اپنے حاکم سندر کی قیادت میں شہر سے باہر نکل کر محمد بن قاسم کا استقبال کیا اور نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ اُنھیں شہر میں لے کر گئے۔ تمام اسلامی فوج کے کھانے پینے اور آرام و آسائش کا بہترین انتظام کیا اور اُنھیں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔

نیرون سے محمد بن قاسم نے حجاج کو خط لکھا اور یہاں کی صورت حال سے مطلع کیا۔ اس خط میں اس نے حجاج سے آگے بڑھنے اور مزید علاقے فتح کرنے کی اجازت طلب کی۔ ان دنوں خراسان کے امیر قتیبہ بن مسلم باہلی تھے جو مشرق میں

فتوحات کرتے ہوئے حدودِ چین تک پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے بھی حجاج سے آگے قدم بڑھانے کی درخواست کی تھی۔ حجاج نے دونوں کو ایک ہی جواب دیا کہ جہاں تک فتوحات حاصل کر سکتے اور آگے بڑھ سکتے ہو، بڑھتے جاؤ۔ محمد بن قاسم کو حجاج کا یہ جواب نیرون ہی میں موصول ہوا۔

نیرون سے آگے کو روانگی

محمد بن قاسم نے چند روز نیرون میں قیام کیا، اس کے بعد اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے، جدھر کا رُخ کیا، فتح سے ہم کنار ہوتے گئے۔ مورخین نے ان کی اگلی منزل کو سندھ اور سہیدان کے دو دریاؤں سے موسوم کیا ہے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کن کن علاقوں سے گزرتے تھے۔ اتنا البتہ پتا چلتا ہے کہ ان دریاؤں کے قریب کے ایک علاقے کا حاکم ایک شخص سروپ داس تھا۔ اسلامی لشکر اس کے علاقے میں داخل ہوا تو اس نے آگے بڑھ کر اپنی رعایا کی طرف سے محمد بن قاسم کا استقبال کیا اور صلح کی درخواست کی۔ اس طرح اس نے اپنے علاقے کے باشندوں کو لڑائی کے خطرات سے بچالیا۔ محمد بن قاسم نے وہاں کے لوگوں کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کیا اور ان سے خراج ادا کرنے کے لیے کہا، اُنھوں نے خراج دینا بخوشی منظور کر لیا اور اسلامی فوج آگے کو روانہ ہوگئی۔

اب محمد بن قاسم اور عساکرِ اسلامی کا رُخ دریائے سندھ کی طرف تھا۔ اُنھوں نے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ کیا، اس سے کچھ فاصلے پر ایک شہر آباد تھا، جسے عربی کتبِ تاریخ میں "سدوسان" لکھا گیا ہے۔ یہ شہر دریائے سندھ کے مغربی جانب تھا اور اس کے قرب وجوار میں بدھ مذہب سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد تھے۔ محمد بن قاسم نے قبیلہ بنو ثقیف کے ایک بہادر فوجی محمد بن مصعب ثقفی کو سدوسان کی مہم پر روانہ کیا۔ محمد بن مصعب اور اس کے فوجی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر سدوسان پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے صلح کی درخواست کی اور امن وامان کے طالب ہوئے۔ محمد بن مصعب نے ان کی درخواست قبول کی اور خراج ادا کرنے کا حکم دیا۔ اُنھوں

نے خراج گزار اور وفا شعار ہونے کا وعدہ کیا اور یہی بات فریقین کے درمیان صلح کی شرط قرار پائی۔

مسلمان فوج کے ساتھ غیر مسلم فوج

سدوسان سے روانہ ہوتے وقت محمد بن مصعب ثقفی نے وہاں کے کچھ آدمی اس لیے اپنے ساتھ کر لیے کہ یہ لوگ شرطِ صلح پر قائم رہیں۔ بلاذری کی روایت کے مطابق محمد بن مصعب جب محمد بن قاسم کے پاس پہنچے تو سدوسان کے چار ہزار جاٹ ان کے ساتھ تھے، یہ سب لوگ مسلمانوں کی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ محمد بن قاسم نے سدوسان کی امارت اپنے ایک ساتھی کے سپرد کی، جس نے وہاں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔[۴۹]

راجا داہر سے جنگ اور اس کا قتل

محمد بن قاسم نے جب دیبل پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تو راجا داہر وہاں سے بھاگ گیا تھا اور حدودِ سندھ سے نکل کر راجا راسل کی راجدھانی میں "کچھ" کے مقام پر پہنچ گیا تھا۔ یہ علاقہ ہندوستان میں شامل تھا جو موجودہ دور میں گجرات کاٹھیاواڑ کا حصہ ہے۔ راجا داہر نے راجا راسل سے مل کر محمد بن قاسم کے خلاف وسیع پیمانے پر جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ محمد بن قاسم سندھ کے بڑے اور مشہور شہروں کو زیرِ نگیں کر کے اپنی فوج کا رُخ ہندوستان کے اس علاقے کی طرف موڑنا چاہتے تھے، جہاں راجا داہر اسلامی لشکر کے خلاف معرکہ آرا ہونے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ چنانچہ ہنگامی طور سے دریائے سندھ پر لکڑی کا پُل باندھ دیا گیا، جسے عبور کر کے مسلمان فوج کچھ کے علاقے میں داخل ہو گئی۔ راجا داہر جو دیبل کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے ایک مدت سے یہاں بیٹھا حربی سازوسامان جمع کر رہا تھا، نہایت عزم و ہمت اور انتہائی تیزی اور مستعدی کے ساتھ بہت بڑے لشکر کی معیت

---

[۴۹] فتوح البلدان ص ۴۲۵

میں میدانِ جنگ میں نمودار ہوا۔ وہ ایک جنگی ہاتھی پر سوار تھا، مورخین کے بیان کے مطابق مزید ستائیس ہاتھی، اس کے آگے پیچھے چل رہے تھے، اور یہ وہ ہاتھی تھے، جنھیں خاص طور سے جنگی تربیت دی گئی تھی۔

راجا داہر اس جنگ کو فیصلہ کن جنگ کی حیثیت دینا چاہتا تھا، اور یہ جنگ واقعی فیصلہ کن ثابت ہوئی۔ اس میں ٹھاکروں کی فوج بھی ہزاروں کی تعداد میں داہر کے زیرِ کمان تھی۔ یہ بڑی بہادر فوج تھی جس نے مسلمانوں کا مقابلہ جرأت اور بے جگری سے کیا۔ تاریخ کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ اس جنگ کی شدت کا یہ عالم تھا کہ اس نواح میں اس سے قبل کبھی ایسی شدید اور زوردار جنگ نہیں ہوئی تھی۔

برصغیر کے قدیم حکمران جنگی ہاتھیوں کو اس انداز سے میدانِ جنگ میں لاتے تھے کہ جو ہاتھی سب سے زیادہ طاقت ور اور سرکش ہوتا، اس کی سونڈ پر ایک بہت بڑا تیز خنجر باندھ دیا جاتا، جسے کٹارا کہا جاتا ہے۔ پھر پوری سونڈ لوہے کی زرہوں سے چھپا دی جاتی تھی۔ اس کے جسم پر بھی لوہے کی زرہیں اور میخیں ہوتی تھیں، اس کے بعد اسے دشمن کے مقابلے میں میدان میں چھوڑ دیا جاتا، اور پانچ سو بہادر جنگجو سپاہیوں کی پیدل فوج اسلحہ سے لیس ہو کر اس کے اردگرد چلتی تھی۔ ایک ہاتھی تقریباً چھ ہزار شہسواروں سے نبرد آزما ہوتا تھا اور جس طرف حملہ کرتا، دشمن کی صفوں کی صفیں الٹتا جاتا۔ اس قسم کے ستائیس جنگی ہاتھی راجا داہر کی فوج میں شامل تھے، جن کے ساتھ چودہ پندرہ ہزار سپاہی میدانِ جنگ میں موجود تھے۔ پیدل اور سوار فوج اس کے علاوہ تھی، جو کئی ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ مجموعی اعتبار سے راجا داہر کی فوج چالیس ہزار سے زیادہ تھی۔

راجا داہر خود میدانِ جنگ میں موجود تھا، وہ ایک جنگی ہاتھی پر سوار تھا اور خوب دادِ شجاعت دے رہا تھا۔ سخت گرمی کا موسم تھا اور سورج کی تپش سے زمین آگ کے شعلے اگل رہی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ داہر نے آگے بڑھ کر مسلمان فوجیوں پر شدید حملہ کیا۔ اس اثنا میں اس کا ہاتھی پیاس کی شدت کے باعث

فیل بان کے قابو سے باہر ہوگیا۔ اب راجا ہاتھی سے اترا اور حریف پر تیزی سے تلوار کے وار کرنے لگا۔ وہ پیدل فوجی کی حیثیت سے لڑ رہا تھا۔ اِدھر مسلمانوں کے پاؤں بھی مضبوطی سے جم چکے تھے، دونوں طرف کے فوجیوں کی گردنیں کٹ کٹ کر زمین پر گر رہی تھیں اور لاشے خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔ فریقین کے جنگجو گرفتار بھی ہو رہے تھے اور معرکہ زوروں پر تھا کہ راجا داہر مقابلہ کرتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا، اس کے ساتھ ہی اس کی فوج کے حوصلے ٹوٹ گئے اور اس نے میدان چھوڑ کر فرار کی راہ اختیار کی۔ مسلمانوں نے شکست خوردہ فوج کا تعاقب کیا اور بے شمار لوگوں کو قتل کر دیا گیا، راجا داہر کو بھی مار دیا گیا۔

راجا داہر کو کس نے قتل کیا۔؟

ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ اسے قبیلہ بنی کلاب کے ایک فوجی نے قتل کیا تھا۔

دوسری روایت کے مطابق قبیلہ بنو طے سے تعلق رکھنے والے ایک سپاہی قاسم کی تلوار سے راجا داہر کا سر تن سے جدا ہوا۔ قاسم کے والد کا نام ثعلبہ، دادا کا عبداللہ اور پردادا کا حصن تھا۔ اس سلسلۂ نسب کی رُو سے اسے قاسم بن ثعلبہ بن عبداللہ بن حصن طائی کہا جاتا تھا۔

ایک اور روایت میں بتایا گیا ہے کہ اس کے قاتل کا تعلق تو قبیلہ بنو طے ہی سے تھا، لیکن قاتل کا نام قشعم بن ثعلبہ طائی تھا۔ [۵۰]

قشعم بن ثعلبہ نے اپنے اس بہت بڑے بہادرانہ کارنامے کو جن اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے، وہ لائق ملاحظہ ہیں۔

الخیل تشہد یوم داھر والقضا — و محمد بن القاسم بن محمد
انی فرجت الجمع غیر معرد — حتیٰ علوت عظیمھم بمھند
فترکتہ تحت العجاج مجدّلاً — متعفر الخدین غیر موسّد

---

[۵۰] دیکھیے فتوح البلدان ص ۴۴۲۔ جمھرۃ انساب العرب ص ۴۰۴۔ کتاب الاشتقاق ص ۳۹۵

یعنی جس دن داہر سے جنگ ہوئی، گھوڑے سے اور نیزے اور محمد بن قاسم گواہی دیتے ہیں۔

کہ اس دن میں فوجیوں کی صفوں کو چیرتا پھاڑتا ہوا، اہلِ سندھ کے عظیم حکمران راجا داہر پر ہندی تلوار سے غالب آگیا۔

میں نے اسے گرد و غبار کے نیچے پڑا ہوا، اس حالت میں چھوڑا کہ اس کے رخساروں پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی اور اس کے سر کے نیچے کوئی تکیہ نہ تھا۔

راجا داہر کے قتل کی خبر فوری طور پر عراق میں حجاج بن یوسف کو پہنچائی گئی، جو نہایت بے تابی سے جنگ کے نتیجے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے بعد اس کا سر کاٹ کر حجاج کے دربار میں بھیجا گیا۔

منصور بن حاتم نحوی کے حوالے سے ہندوستان کے ممتاز مورخ قاضی اطہر مبارک پوری رقم طراز ہیں:

"راجا داہر اور اس کے قاتل دونوں کی تصویریں یا مجسمے شہر بھڑوچ میں بنے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں قدیم زمانے سے نامور افراد کے مجسموں اور تصویروں کے ذریعے ان کی یادگار قائم کرنے کا رواج ہے۔ چونکہ سندھ کا راجا داہر سوراشٹر اور گجرات کے علاقے کچھ میں قتل ہوا، جو راجا راسل کی ملکیت تھا، اس لیے اس کی اور اس کے قاتل دونوں کی یادگار گجرات کے قدیم شہر بھڑوچ میں قائم کر کے دونوں بہادروں کے کارناموں کو یاد رکھا گیا۔ دونوں اپنے اپنے کارناموں میں بہادر تھے۔ راجا داہر نے عرب کی عظیم فوج کا جم کا مقابلہ کیا اور قشعم نے اس عظیم راجے کا کام تمام کیا۔ راجا داہر کے مرنے کے بعد پورے سندھ پر محمد بن قاسم کا مکمل قبضہ ہو گیا اور وہ اطراف و جوانب کے قریہ قریہ اور شہر شہر کو فتح کرتے ہوئے ارور جا پہنچے۔[۱۵۱]

---

۱۵۱ خلافت امویہ اور ہندوستان ص ۱۱۴

راجا داہر سے لڑنا اور اس کو قتل کر دینا بہت بڑا کارنامہ تھا جو محمد بن قاسم کی قیادت میں عرب فوج نے سرانجام دیا۔ جب راجا داہر کا سر عراق پہنچا تو کئی شاعروں نے محمد بن قاسم اور ان کی بہادر فوج کی تعریف میں شعر کہے۔ یہ شعر کہنے میں وہ بلاشبہ حق بجانب تھے۔

حضرت حسن بصری کے فرزند گرامی حضرت کہمس جو نامور تابعی تھے، اس جنگ میں فوجی کی حیثیت سے محمد بن قاسم کے لشکر میں شامل تھے۔ وہ اس جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ راجا داہر بہت بڑی فوج لے کر ہمارے مقابلے میں آیا، ستائیس جنگی ہاتھی اس کے ساتھ تھے۔ دریائے سندھ عبور کر کے ہم اس کے لشکر جرار کا مقابلہ کرنے کے لیے گئے اور پھر شدید جنگ ہوئی، جس میں عددی اعتبار سے بھی داہر کی فوج بہت زیادہ تھی، حربی ساز و سامان کا بھی کوئی حساب نہ تھا، سب سے بڑی بات یہ کہ جہاں جنگ ہو رہی تھی، اس کے گرد و پیش کا تمام علاقہ خود اس کی یا اس کے ہم مذہب راجوں مہاراجوں کی قلمرو میں شامل تھا، لیکن اس کے باوجود دشمن کو ہزیمت اور مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ یہ سب اللہ کی مہربانی اور اس کی رحمت تھی۔

اس پر عرب مسلمانوں کا خوش ہونا اور مختلف طریقوں سے مسرت و شادمانی کا اظہار کرنا انسانی فطرت کے عین مطابق تھا۔

الور یا اَرُوڑ کی طرف پیش قدمی

کچھ کے عظیم معرکے سے فارغ ہونے اور میدان جیت لینے کے بعد محمد بن قاسم نے اَرُوڑ کی طرف پیش قدمی کی۔ ایک روایت کے مطابق راجا داہر کی بیوی اور اس کے اہل خانہ اَرُوڑ کے حکمران کے ہاں مقیم تھے اور اس نے ان کو پناہ دے رکھی تھی۔ خدام کی ایک جماعت ان کے ساتھ تھی اور مال و دولت کے ڈھیر ان کے پاس تھے۔ داہر کی بیوی کو جب پتا چلا کہ محمد بن قاسم کی فوج نے ارور کا رُخ کر لیا ہے تو اپنی بہت سی باندیوں اور کنیزوں کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو آگ لگا دی تھی اور جل کر زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا تاکہ مسلمان فوجیوں کی گرفت میں نہ آ سکیں۔ یہ فتوح البلدان کی روایت

ہے ۔[۵۲]

ایک اور روایت میں جو تاریخ یعقوبی میں درج ہے، بتایا گیا ہے کہ ارور علاقہ سندھ کا بہت بڑا شہر تھا۔ راجا داہر کی بیوی اپنی بہت سی خادماؤں کے ساتھ اس شہر میں مقیم تھی اور وہاں کے حکمران کی پناہ میں تھی۔ محمد بن قاسم نے یہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔ اس کے باشندوں کو ابھی تک راجا داہر کے مارے جانے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ محمد بن قاسم نے کچھ لوگوں کے ذریعے داہر کی بیوی کو اس کے مرنے کی اطلاع دی اور امان طلب کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ باشندگان شہر نے امان طلب کر لی اور محمد بن قاسم کے لیے شہر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ محمد بن قاسم نے شہر میں داخل ہو کر نئے انتظامات کیے اور وہاں کے لوگوں کو امان دی پھر اپنا نائب مقرر کر کے آگے نکل گئے ۔[۵۳]

اُلوڑ یا اَرُوڑ علاقہ سندھ کا قدیم شہر اور رائے خاندان کا دارالحکومت تھا اور دریائے سندھ کے کنارے واقع ہونے کی وجہ سے بہت سرسبز اور آباد تھا۔ اس کی حدودِ سلطنت جنوب میں گجرات اور سوراشٹر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ آج کل اسے اروڑ کہتے ہیں۔ سندھ میں روہڑی اسٹیشن سے چار میل جنوب میں واقع ہے اور دور دور تک کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں ۔[۵۴]

برہمن آباد کی تسخیر

راجا داہر کی موت کے بعد اس کی فوج کے بہت سے سپاہی بھاگ کر برہمن آباد چلے گئے تھے۔ یہ سندھ کا وہ پُرانا شہر تھا، جس کے ارد گرد دُور تک پھیلی ہوئی جھاڑیاں اور بے شمار درخت تھے۔ یہ ایسا جنگل تھا، جس میں لوگوں کے

---

[۵۲] دیکھیے فتوح البلدان ص ۴۲۶

[۵۳] تاریخ یعقوبی ص ۳۴۷

[۵۴] خلافت امویہ اور ہندوستان ص ۱۱۶

چھپ جانے اور روپوش ہو جانے کی بڑی گنجائش تھی، چنانچہ داہر کی فوج کے ہزاروں سپاہی اس جنگل میں چھپ گئے تھے، وہ موقع پا کر مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے تاکہ داہر کی شکست اور موت کا بدلہ لیا جا سکے۔ محمد بن قاسم کو اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے برہمن آباد اور اس کے قرب و جوار کے علاقے کی تسخیر کا عزم کیا اور نہایت تیزی سے یہاں پہنچے اور دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ داہر کی فوج کے ان سپاہیوں نے جو اس نواح میں چھپے بیٹھے تھے، مسلمانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، لیکن مسلمان فوج نے ان کو بُری طرح شکست دی۔ ایک روایت کی رو سے دشمن کے آٹھ ہزار اور ایک روایت کی رو سے چھبیس ہزار آدمی مارے گئے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند دلبند حضرت کہمس اس لڑائی میں محمد بن قاسم کے ہم رکاب تھے۔ انھوں نے "برہمن آباد" کے بجائے اس شہر کو "برہما" کہا ہے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ برہمن آباد اور برہما کا اطلاق ایک ہی شہر پر ہوتا ہے۔

بعض اور شہروں کی طرف پیش قدمی

راجا داہر کی فوج سے بھاگ کر جو سپاہی اروڑ اور برہمن آباد میں روپوش ہو گئے تھے، وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ان کی سرکوبی کے بعد محمد بن قاسم نے اگلے شہروں کی طرف پیش قدمی کی۔ وہ دراصل اس نواح کے دو بڑے شہروں کو فتح کرنا چاہتے تھے۔ ایک شہر کا نام اس زمانے میں الرور اور ایک کا بغرور تھا۔ راستے میں ایک قصبہ ساوندری پڑتا تھا۔ وہاں پہنچے تو لوگوں نے قصبے کی حد سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور طالبِ امان ہوئے۔ محمد بن قاسم نے ان کی درخواست اس شرط کے ساتھ منظور کی کہ وہ خیر سگالی کے جذبے سے مسلمانوں کی ضیافت اور اگلے سفر کے لیے ان کی رہنمائی کریں گے۔ یہ شرط مانی گئی تو وہ آگے بڑھے اور بسمد نام کے ایک قصبے میں پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی باشندگانِ ساوندری طرح امن و صلح کی التجا کی۔ ان پر بھی وہی شرط عائد کی گئی جو ساوندری کے باشندوں پر عاید

کی گئی تھی، جس پر بخوشی عمل کیا گیا۔

اب اسلامی فوج الرور پہنچی اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ یہ اس علاقے کا ایک بڑا شہر تھا۔ باشندگان شہر سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ مسلمان نہ مقامی باشندوں کو قتل کریں گے، نہ ان کا بت خانہ منہدم کریں گے اور نہ بتوں کو توڑیں گے۔ ان کے بت خانے کو وہی حیثیت حاصل ہوگی جو یہود و نصاریٰ اور مجوس کے عبادت خانوں کو حاصل ہے۔

محمد بن قاسم نے ان پر خراج مقرر کیا، جو ادا کرنا ضروری ہوگا۔ طے پایا کہ اگر وقتِ مقررہ پر خراج ادا نہ ہو سکے اور اس میں کچھ دیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ خراج ادا کرنے والوں پر سختی نہیں کی جائے گی۔ شہر الرور میں ایک مسجد تعمیر کی گئی اور مسلمان وہاں آباد کیے گئے۔[۵۵]

بغرور کے باشندوں سے بھی اسی طرح صلح کی گئی۔ وہاں بھی بالکل امن و امان رہا اور فریقین میں سے کسی فریق نے کسی پر سختی نہیں کی۔

محمد بن قاسم نے ۹۳ھ میں سرزمینِ سندھ میں قدم رکھا تھا اور مذکورہ بالا تمام واقعات ۹۳ھ ہی میں ہوئے، یعنی ان کے ورودِ سندھ کے پہلے سال ہی اتنی فتوحات حاصل ہو گئیں۔

راجا چچ سے لڑائی اور اس کا قتل

اس کے بعد ۹۴ھ شروع ہوا۔ بالفاظِ دیگر محمد بن قاسم کے سندھ میں وارد ہونے پر ایک سال گزر گیا اور دوسرے کا آغاز ہوا۔ اس سال ان کی جنگ راجا داہر کے بیٹے راجا چچ سے ہوئی جو دورانِ جنگ میں مارا گیا۔ اس کے علاوہ بھی اس سال میں کئی معرکے ہوئے اور ہر معرکے میں مسلمان کامیاب رہے۔

پنجاب کا عزم اور ملتان کی فتح

محمد بن قاسم کی سندھ میں آمد پر اب دو سال پورے ہو چکے تھے اور تیسرا

---

۵۵ فتوح البلدان ص ۴۲۶، ۴۲۷

سال شروع ہوگیا تھا، یعنی ۹۳ھ کے بعد ۹۴ھ کا سورج بھی غروب ہوگیا تھا اور ۹۵ھ نے اپنے سفر کا آغاز کرلیا تھا۔ اس اثنا میں سندھ کا تمام علاقہ فتح کرلیا گیا تھا بلکہ حدودِ سندھ سے آگے رن کچھ کے بھی اچھے خاصے علاقے کو اسلامی فوجیں زیرِ نگیں کرچکی تھیں۔ اب انھوں نے پنجاب کا رُخ کیا اور ملتان کی طرف بڑھنے لگیں۔ دریائے بیاس عبور کرکے راستے کے چند شہروں پر تسلط جمایا اور پھر تیزی سے ملتان کے دروازے پر جا دستک دی۔ وہاں کے لوگوں نے لڑائی کو دعوت دی تو اسلامی لشکر کے ایک فوجی زائدہ بن عمیر طائی نے بڑی ہنرمندی اور چابک دستی سے اپنے دستے کی کمان کی اور نہایت دلیری اور بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حریف کے جنگجو جو شہر سے باہر نکل کر لڑ رہے تھے، مسلمانوں کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لاسکے اور میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ اس موقعے پر محمد بن قاسم نے جو جنگ کی تمام صورتِ حال کا جائزہ لے رہے تھے، فوج کو نہایت تیزی سے شہر کے چاروں طرف پھیلا دیا اور اس کا جلدی سے محاصرہ کرلینے کا حکم جاری کیا۔ محاصرے نے اتنا طول کھینچا کہ اسلامی لشکر میں سامانِ رسد کی شدید قلت پیدا ہوگئی اور کھانے پینے کی چیزوں کا دستیاب ہونا مشکل ہوگیا۔

یہ انتہائی اذیت ناک صورتِ حال تھی۔ اس دوران میں شہر کا ایک شخص طلبِ امان کے لیے محمد بن قاسم کی خدمت میں آیا اور اس مقام کی نشان دہی کی جہاں سے پینے کا پانی شہر کو جاتا تھا۔ مسلمان فوج نے فوراً اس مقام پر قبضہ کرلیا اور پھر نہایت آسانی سے شہر فتح ہوگیا۔

بات یہ تھی کہ دریا کا پانی ایک جگہ سے گزر کر شہر کے اندر جاتا اور ایک تالاب میں جمع ہوتا تھا۔ اسی تالاب سے پورے شہر کے لوگ پانی حاصل کرتے تھے۔ اس شخص کی نشان دہی کے بعد محمد بن قاسم نے فوجیوں کو حکم دے کر شہر کے باہر نہر اس قدر گہری کردی کہ سارا پانی وہیں رُک گیا اور شہر میں جانا بند ہوگیا۔ اب

پانی کی نایابی اور پیاس کی شدت سے تمام شہر بلبلا اٹھا اور باشندگانِ ملتان نے خود ہی مسلمان فوج کے لیے شہر کے دروازے کھول دیے۔

محمد بن قاسم نے شہر کے اندر جا کر ان فوجیوں کو قتل کر دیا جنھوں نے مسلمانوں سے لڑائی کی تھی اور جو سپاہی میدانِ جنگ میں نہیں آئے تھے، انھیں گرفتار کر لیا گیا۔

ملتان میں جو بہت بڑا بت خانہ تھا، اس میں چھ ہزار پجاری اور مہنت ہر وقت موجود رہتے تھے۔ دس گز لمبی اور آٹھ گز چوڑی اس کی ایک کوٹھری تھی، اس کی چھت میں ایک سوراخ تھا جس میں بت خانے کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کی رقم ڈالی جاتی تھی اور وہ رقم کوٹھری میں گرتی جاتی تھی۔

ملتان کے اس بت خانے میں سندھ اور ہند کے بے شمار لوگ روزانہ عبادت کے لیے آتے تھے اور بہت بڑی مقدار میں سونا چاندی اور نقد روپے اس کی بھینٹ چڑھاتے تھے۔ محمد بن قاسم نے بت خانے سے چھ ہزار پجاریوں اور مہنتوں کو گرفتار کر لیا اور سونے چاندی کے ڈھیر اور نقد روپے سرکاری خزانے میں جمع کرانے کے لیے الگ رکھ لیے۔

اب تک کا خرچ اور آمدنی

مسلمان فوجوں کے سندھ میں داخل ہونے پر اب دو سال ہو چکے تھے۔ سندھ پورا فتح کر لیا گیا تھا، رن کچھ کے اچھے خاصے علاقے پر قبضہ کر لیا گیا تھا، ملتان زیرِ نگیں ہو چکا تھا اور راجا داہر موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔ حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو خط لکھا کہ میں نے امیر المومنین ولید کو یہ تحریری ضمانت دی ہے کہ ہندوستان کی مہمات پر میں نے جس قدر مال و دولت خرچ کیا ہے، وہ سب بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ اب تم مجھے میری اس ذمے داری سے سبکدوش کرو اور بتاؤ کہ تمھارے اس علاقے میں آنے اور اس کو فتح کرنے میں اب تک کتنی رقم خرچ ہوئی اور کیا آمدنی ہوئی۔؟

اس کے جواب میں محمد بن قاسم نے حجاج کو کثیر مقدار میں مال بھیجا۔ اسے دیکھ کر حجاج نے مہمات ہند اور سندھ پر خرچ اور آمدنی کا حساب لگایا تو پتا چلا کہ اب تک کل ساٹھ لاکھ درہم خرچ ہوئے ہیں اور ایک کروڑ بیس لاکھ درہم کی آمدنی ہوئی ہے۔ یہ صورت حال سامنے آئی تو حجاج نے اطمینان کا اظہار کیا اور کہا:

شفینا غیظنا وادرکنا ثارنا وازددنا ستین الف الف درھم ورأس داھر [۵۶]

یعنی ہم نے اپنا غصہ ٹھنڈا کیا اور خون بہا لیا، اور مزید ساٹھ لاکھ درہم کی رقم اور راجا داہر کا سر نفع میں پایا۔

حجاج بن یوسف کا انتقال

محمد بن قاسم ملتان کی فتح کے بعد وہاں کے انتظام و انصرام کو آخری شکل دینے میں مصروف تھے اور بہت سے انتظامی معاملات سے فارغ ہو چکے تھے کہ رمضان ۹۵ھ میں حجاج بن یوسف کے انتقال کی خبر پہنچی۔ یہ خبر سنتے ہی وہ ملتان سے الرور اور بغرور کی طرف لوٹے اور کچھ دن اس نواح میں قیام کیا۔ وہاں کے دوران قیام میں انھوں نے اس علاقے کے لوگوں سے انتظامی معاملات سے متعلق گفتگو کی اور ان کی رائے کو خاص اہمیت دی، اس لیے کہ وہ اس علاقے کے رہنے والے تھے اور ان کے مشورے اور تعاون کی ہر معاملے میں ضرورت تھی۔ مختلف افراد کو انعام و اکرام اور ہدایا و تحائف سے نوازا۔ مستحقین، غربا و مساکین، بیوہ عورتوں اور بوڑھے اور لاوارث لوگوں کی مدد کی۔ بعض مقامات پر فوجی مہم روانہ کی۔

بھیلمان اور سورٹھ پر چڑھائی

سندھ اور ملتان کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے ان شہروں اور علاقوں کو مرکز توجہ ٹھہرایا جو سندھ سے ملحق ہیں اور ہندوستان کے موجودہ جغرافیے کے لحاظ سے

---

[۵۶] فتوح البلدان ص ۴۲۷

راجستان اور گجرات کاٹھیاواڑ میں شامل ہیں ۔ اس نواح کے بعض مقامات مثلاً کچھ وغیرہ اس سے تھوڑا عرصہ قبل راجا داہر کے ساتھ لڑائی کے نتیجے میں فتح ہو چکے تھے ، اب باقی علاقوں اور شہروں کو فتح کرنے کا عزم کیا گیا ۔ اس کے لیے انھوں نے سب سے پہلے بھیلمان پر فوج کشی کی جسے عربی کتب تاریخ میں بیلمان لکھا گیا ہے ۔ یہ شہر اس زمانے میں گوجر قوم کا مرکزی مقام تھا ، جو اچھی خاصی تعداد میں اس نواح میں آباد تھے ۔ بھیلمان کے باشندوں نے مسلمان فوج کا مقابلہ نہیں کیا اور اس کی شرائط کے مطابق صلح کر لی ۔

اس کے بعد محمد بن قاسم کی فوج اس علاقے کے ایک اور شہر سورٹھ کی طرف بڑھی ، جسے عرب مورخوں نے " سرست " تحریر کیا ہے ۔ یہاں کے لوگوں نے بھی لڑائی سے گریز کیا اور کسی قسم کی مزاحمت کے بغیر مسلمانوں کی اطاعت گزاری کا اعلان کر دیا ۔

کھیرڑا کی جنگ اور فتح

بھیلمان اور سورٹھ کو بلا مقابلہ زیر نگیں کر لینے کے بعد اسلامی فوجوں نے کھیرڑا کا رخ کیا جو علاقہ گجرات کے وسط میں واقع ہے اور جسے عربوں کی تاریخ میں "کیرج" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے ۔ اس شہر اور اس کے گرد و نواح کا حکمران راجا دوہر تھا ۔ اسے محمد بن قاسم کی آمد کا پتا چلا تو مقابلے کے لیے میدان میں اترا ، دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے آئیں اور قدم جما کر لڑنے لگیں ۔ کچھ دیر بعد راجہ دوہر کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے اور راجا میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا ۔

ایک روایت کے مطابق راجا دوران جنگ میں مارا گیا اور شہر کے لوگوں نے محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کی ۔ جن لوگوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا ، انھیں امان دے دی گئی اور جو لوگ شریک جنگ تھے ، ان میں سے بعض کو قتل کر دیا گیا اور بعض کو قید میں ڈال دیا گیا ۔

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور موت

برصغیر میں محمد بن قاسم کے ورود پر دو سال مکمل ہو کر تیسرا سال گزر رہا تھا۔ اس مختصر مدت میں اس خطۂ ارض کے بہت سے اہم مقامات فتح کر لیے گئے تھے اور مفتوحہ علاقوں کے نظم و نسق کی حالت نہایت تسلی بخش تھی۔ ۹۵ھ کے ماہِ رمضان میں حجاج بن یوسف نے وفات پائی، جس نے محمد بن قاسم کو سندھ اور ہند کے محاذ پر روانہ کیا تھا۔ اس کے بعد ۱۵ جمادی الاخریٰ ۹۶ھ (۲۵ فروری ۷۱۵ء) کو خلیفہ ولید بن عبدالملک نے انتقال کیا، جس کے دورِ خلافت میں محمد بن قاسم کو سرزمینِ ہند پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ ولید کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔

یہاں چند لفظوں میں یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ولید بن عبدالملک کے بعد اس کا چھوٹا بھائی سلیمان بن عبدالملک تختِ خلافت کا متمنی تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد عبدالملک نے اپنے زمانۂ خلافت میں ولید کے بعد سلیمان کو ولی عہد بنایا تھا اور اسی کے لیے لوگوں سے بیعت لی تھی۔ لیکن باپ کی وفات کے بعد ولید خلیفہ ہوا تو اس کی نیت بدل گئی اور اس نے بھائی کو محروم کر کے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنانے کا ارادہ کیا۔ اس کا اظہار اس نے اپنے مختلف وزیروں اور سرکردہ لوگوں سے الگ الگ کیا۔ بعض لوگوں نے اس معاملے میں اس سے اختلاف کیا اور بعض نے اس کی تائید کی۔ حجاج بن یوسف نے اس کی تائید کی تھی اور کہا تھا کہ سلیمان کو محروم کر کے عبدالعزیز کو ولی عہد بنایا جائے۔ لیکن ہوا یہ کہ ولید کے بعد سلیمان نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لی۔

اس میں کوئی شک نہیں، سلیمان بن عبدالملک بہت سی خوبیوں کا مالک تھا اور ذاتی طور سے اچھے اوصاف و اطوار کا حامل تھا۔ حکمران کی حیثیت سے بھی اس کا دور بہت اچھا اور فتوحات کا دور تھا، لیکن ولید کی حکومت کے جن سرکردہ لوگوں نے اس کی ولی عہدی کی مخالفت کی تھی، وہ ان سے انتقام لینے

پر اتر آیا، ان میں حجاج بن یوسف بھی شامل تھا۔ حجاج ایک سال پہلے وفات پاچکا تھا، لیکن حجاج کے اعزّہ واقارب اور مملکت کے مختلف علاقوں میں اس کے مقرر کردہ سربراہ جو زندہ تھے، وہ ان کے درپے آزار ہوگیا۔ ان میں محمد بن قاسم بھی تھا، جو پورے سندھ پر فتح کا جھنڈا لہراچکا تھا اور جس نے ہندوستان کے بہت بڑے علاقے کو مسخر کرلیا تھا۔ سلیمان نے اس کو گرفتار کرنے اور جان سے مار دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ اس کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اس کو منصبِ خلافت سے محروم کر دینے کی کوشش یا مشورے میں محمد بن قاسم کا قطعاً کوئی ہاتھ نہ تھا۔ وہ لائق ترین سپہ سالار اور تجربہ کار جرنیل تھا اور فاتح کی حیثیت سے آگے بڑھ رہا تھا، اس کے بارے میں یہ الم ناک فیصلہ کرنا سلیمان بن عبدالملک کے لیے کسی صورت میں بھی روا نہ تھا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ حکمرانوں کی تاریخ ہمیشہ تلوار کے قلم اور خون کی سیاہی سے لکھی جاتی ہے۔ یہ لوگ انتہائی شکی مزاج ہوتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے بارے میں انھیں شبہ پڑ جائے کہ وہ کسی معاملے میں ان سے اختلافِ رائے رکھتا یا ان کی حمایت سے گریزاں ہے تو اس کے دشمن ہوجاتے ہیں، اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اسے راستے سے ہٹا دیا جائے۔ بلکہ اس کے رشتے داروں اور متعلقین کو بھی اسی جرم میں پھنسا لیتے اور اسی سزا کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ حجاج بن یوسف کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ وہ خود تو سلیمان بن عبدالملک کی خلافت سے ایک سال پہلے مر گیا، لیکن اس کے رشتے داروں، تعلق داروں اور اس کے مقرر کیے ہوئے حکومت کے اہل کاروں اور منصب داروں کو پکڑ لیا گیا۔ یہاں تک کہ سپہ سالاروں اور جرنیلوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس فہرست میں بہت سے لوگ شامل ہیں، مگر یہاں محمد بن قاسم کا ذکر ہو رہا ہے، اس لیے ہم اپنی گزارشات کو اسی تک محدود رکھیں گے۔

سلیمان بن عبدالملک کا یہ لائقِ مذمت فعل ہے کہ اس نے محمد بن قاسم کو

گرفتار کرنے کا حکم دیا اور اسے قتل کردیا گیا۔ سلیمان کو اگر حجاج سے دشمنی تھی تو اس کی حدوں کو اس کے رشتے داروں تک نہیں پھیلانا چاہیے تھا۔ افسوس ہے، اس نے محمد بن قاسم کو اسی طرح کشتنی اور گردن زدنی قرار دیا، جس طرح وہ حجاج کو قرار دیتا تھا۔ محمد بن قاسم نہایت عاقل وفہیم، بہادر، مستقل مزاج، نیک طینت، عمدہ خصال اور جوانِ صالح تھا، جسے حجاج نے راجا داہر کی سرکوبی کے لیے سندھ کی طرف روانہ کیا تھا۔

اس سے قبل حجاج ان یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کی جو سرندیپ سے عراق جارہی تھیں، کشتیاں لوٹنے کا بدلہ لینے کے لیے دو مہیں راجا داہر کے مقابلے میں سندھ بھیج چکا تھا اور دونوں ناکام رہی تھیں۔ اس نے پہلی مرتبہ عبداللہ اسلمی کو چھ ہزار فوج کے ساتھ سندھ کی طرف روانہ کیا، مگر عبداللہ سندھ میں راجا داہر کی فوج کا مقابلہ کرتا ہوا مارا گیا، اس طرح یہ مہم ناکام رہی۔ دوسری مرتبہ حجاج نے ایک اور سپہ سالار کو جس کا نام بدیل تھا، چھ ہزار فوج دے کر بھیجا۔ وہ دیبل شہر تک پہنچ گیا اور باقاعدہ لڑائی شروع ہوگئی، بدیل کے مقابلے میں راجا جیسب اپنی فوج کی کمان کر رہا تھا۔ لڑائی نے جب انتہائی شدت اختیار کی تو اچانک بدیل کا گھوڑا بدکا اور وہ حالتِ جنگ میں گھوڑے سے گر کر شہید ہوگیا، اس طرح یہ مہم بھی کامیابی سے ہم کنار نہ ہوسکی۔

تیسری مرتبہ محمد بن قاسم کو بھیجا گیا، جو ایک تجربہ کار اور نہایت جری و بہادر سپہ سالار تھا۔ وہ چھ ہزار شامی فوج، ہزاروں کی تعداد میں دوسری فوج اور بہت سے رضاکاروں کے ساتھ واردِ سندھ ہوا تھا۔ اس نے پورے سندھ کو مسخر کیا، ملتان پر تسلط جمایا اور راجستان اور گجرات کاٹھیاواڑ کے بہت سے شہروں کو زیر کیا۔ مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کرائیں، مدرسے قائم کیے اور قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے اساتذہ مقرر کیے۔

اس کی ہمت کی داد دیجیے کہ حجاج کی موت کے بعد بھی اسی طرح جہاد وفتوحات میں مصروف رہا، جس طرح حجاج کی زندگی میں مصروف رہا تھا۔ وہ خالص فوجی تھا،

صحراؤں اور جنگلوں میں گھومنا اور فوجی وردی کے ساتھ خیموں میں رہنا، اس کا اصل مشغلہ تھا۔ دارالسلطنت کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ سے اسے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن افسوس ہے وہ اسی کی نذر ہو گیا۔

وہ فوج میں بہت مقبول تھا۔ تمام فوجی جو اس کے ارد گرد جمع تھے، دل و جان سے اس پر فدا تھے اور اس کے ہر حکم کی بسر و چشم تعمیل کرتے تھے۔ اس کے ارادے بہت بلند تھے۔ وہ پورے ہندوستان کو فتح کرنے کا متمنی تھا۔ اس کے بعد اس نے تمام برّ اعظم ایشیا کی چین اور جاپان تک تسخیر کا منصوبہ بنا رکھا تھا۔ لیکن سلیمان کے جذبۂ عداوت اور جوشِ غیظ و غضب نے اس کے قدم روک لیے اور پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔

سلیمان نے انتظامِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی یزید بن ابو کبشہ کو سندھ کا والی مقرر کیا اور حکم دیا کہ سندھ پہنچتے ہی محمد بن قاسم کو گرفتار کر لو اور پابجولاں کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ اس وقت محمد بن قاسم مخالفینِ اسلام سے جہاد کرتا اور علاقوں کے علاقے فتح کرتا ہوا، اودھاپور پہنچ چکا تھا، جو گجرات کاٹھیاواڑ کا مشہور شہر ہے۔ یزید بن ابو کبشہ نے اس سرزمین میں قدم رکھتے ہی اسے گرفتار کر لیا اور پھر قیدی کی حیثیت سے اس کو دمشق کی جانب روانہ کر دیا گیا۔ سلیمان نے حکم دیا کہ اسے واسط کے جیل خانے میں بند کر دیا جائے۔ اس کی نگرانی، بلکہ صحیح لفظوں میں کہنا چاہیے کہ ایذا رسانی پر صالح بن عبدالرحمٰن کو مامور کیا گیا، اس نے جیل میں محمد بن قاسم کو اتنی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں کہ چند روز میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔

سندھ میں محمد بن قاسم کا اثر

یزید بن ابو کبشہ یا کوئی بھی بڑے سے بڑا شخص زور اور قوت سے محمد بن قاسم کو نہ مغلوب کر سکتا تھا، نہ گرفتار کر سکتا تھا۔ وہ سندھ اور اپنے مقبوضہ علاقوں میں بے حد اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ وہ جو فوج دمشق اور عراق وغیرہ علاقوں سے

اپنے ساتھ لے کر آیا تھا، وہ تمام تر مسلمان فوج تھی لیکن سندھ اور بعض مفتوحہ علاقوں کے نومسلم اور غیر مسلم بھی اس کی فوج میں شامل ہو گئے تھے، جو نہایت اخلاص اور جرأت و شجاعت سے اس کے زیر کمان ہو کر دشمن سے نبرد آزما ہوتے تھے۔ یہ تمام فوجی اور سندھ و ہند کے سب باشندے ہر اعتبار سے اس کے اطاعت گزار اور فرمانبردار تھے۔ انھیں جب خلیفۂ وقت کے نامعقول اور سراسر غلط حکم کا علم ہوا تو انھوں نے محمد بن قاسم پر زور دیا کہ اس حکم کی ہرگز تعمیل نہ کی جائے۔ ہم متفقہ طور پر اس سارے علاقے کی امارت آپ کو سونپتے اور آپ کے ہاتھ پر سمع و طاعت کی بیعت کرتے ہیں۔ خلیفہ سلیمان کا ہاتھ کسی صورت میں آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔

محمد بن قاسم اگر ان لوگوں کی بات مان جاتے تو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کی حکومت کا کوئی گروہ پوری طاقت صرف کر کے بھی انھیں گرفتار نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی ہر دلعزیزی سندھ کے تمام باشندوں پر محیط تھی، اس کے ریگستان کا ایک ایک ذرّہ ان کی امداد و اعانت کے لیے تیار تھا اور وہاں کے قصبات و بلاد اور دیہات کی ایک ایک اینٹ ان کی نصرت کے لیے بے تاب تھی۔ مگر اس عالی ہمت اور بلند کردار سپہ سالار نے، جس کے سامنے بڑے بڑے حکمرانوں نے ہار مان کر ہتھیار ڈال دیے تھے، بلا تأمل اپنے آپ کو یزید بن ابوکبشہ کے حوالے کر دیا۔ اس نے فوج کے قانون پر پورا عمل کیا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس سے خلیفۂ وقت کے حکم کی نافرمانی کا جرم سرزد ہو۔

گرفتاری کا ہمہ گیر افسوس

سندھ اور ہند کے مختلف علاقوں میں محمد بن قاسم کی گرفتاری کی خبر پہنچی تو وہاں کے عوام و خواص نے انتہائی افسوس کا اظہار کیا۔ اس لیے کہ وہ اس نواح کا عادل اور انتہائی منصف امیر تھا۔ اس نے مفتوحہ علاقوں میں وہاں کے مکینوں کی پسند کے مطابق طرزِ حکمرانی کی طرح ڈالی تھی، جس سے ہر شخص مطمئن تھا۔ عدل و انصاف کا دور دورہ تھا، چوری، ڈکیتی اور رہزنی کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا، ظلم و ستم کے دن بیت چکے تھے اور لوگ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور موت تاریخ کا ایک عظیم المیہ تھا۔ اہل ہندو سندھ نے اسے بہت محسوس کیا اور بڑے آنسو بہائے۔ گجرات کے ایک شہر کھیڑا میں اس کا مجسمہ بنا کر وسطِ شہر میں نصب کیا گیا۔ یہ اس کے بہت بڑا انسان اور عادل امیر ہونے کی دلیل تھی۔ اس ضمن میں بلاذری کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں۔

فبکیٰ اھل الھند وصوّروہ بالکیرج [۵۷]

یعنی محمد بن قاسم کی موت پر ہندوستان کے لوگ روئے اور کیرج (کھیڑا) میں اس کی تصویری یادگار قائم کی گئی۔

یہ اس کے ساتھ باشندگانِ ہند کی محبت و عقیدت کی انتہا تھی اور اس کی ہر دلعزیزی، معدلت گستری اور انصاف کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کا واضح ثبوت تھا۔ مدتوں یہ صورتِ حال رہی اور عرصۂ دراز تک لوگ اسے یاد کرتے اور آنسو بہاتے رہے۔ وہ بہت اونچا امیر تھا۔ سندھ اور ہند کی فتوحات میں ایک طرف اگر اس نے اپنے آپ کو رستم و اسکندر سے بڑھا ہوا ثابت کیا تو دوسری طرف عدل و انصاف، رعایا پروری اور ہمدردیٔ خلائق میں نوشیرواں سے بازی لے گیا۔

ابتری اور بدنظمی

محمد بن قاسم کی گرفتاری کے بعد برصغیر میں اموی خلافت کے وقار کو نہایت دھچکا لگا۔ حالات بگڑ گئے، انتظامات میں ابتری پیدا ہو گئی اور نظم و نسق کا پورا ڈھانچا ہل گیا۔ تمام فوجی اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے گئے، ہر طرف خودسری اور سرکشی پھیل گئی، راجے مہاراجے بے لگام ہو کر من مانیاں کرنے لگے، جس سے جو معاہدہ اور جو عہد ہوا تھا، وہ ٹوٹ گیا اور کسی کے دل میں کسی کا لحاظ نہ رہا۔ پورا مقبوضہ اور مفتوحہ علاقہ قابو سے باہر ہو گیا۔ مسلمان اپنی خاص آبادیوں اور بستیوں میں چلے گئے اور غیر مسلم سپاہی جو محمد بن قاسم کی ماتحتی میں دشمن سے برسرِ پیکار تھے، اپنے گھروں

---

[۵۷] فتوح البلدان ص ۴۲۸

میں جا کر بیٹھ گئے۔

یزید بن ابو کبشہ جس نے سندھ میں آ کر محمد بن قاسم کو گرفتار کیا تھا، اٹھارہ دن بعد فوت ہو گیا۔ وہ ان کی گرفتاری کے علاوہ اس ملک میں کوئی خدمت انجام نہ دے سکا۔ اس کے بعد حبیب بن مہلب نے اس کی جگہ سنبھالی تو جنگ وجہاد کا سلسلہ شروع کیا اور اچھی خاصی خدمات سرانجام دیں۔ اس کو سلیمان بن عبدالملک نے اس نواح میں امیرِ حرب بنا کر بھیجا تھا۔ محمد بن قاسم کی گرفتاری کے بعد سندھ کے راجوں مہاراجوں نے سرکشی اور تمرّد کی جو راہ اختیار کر لی تھی، حبیب بن مہلب کی سرگرم کوششوں سے کافی حد تک بند ہو گئی اور مختلف لوگوں نے جو بغاوتیں شروع کر دی تھیں، ان کا کچھ نہ کچھ سدِّباب ہو گیا۔

محمد بن قاسم کے نام حجاج بن یوسف کے چند خطوط

حجاج بن یوسف کی فطرت اور اس کے اعمال و کردار کے بہت سے گوشوں سے لوگ واقف ہیں۔ تاریخی روایات کے مطابق وہ بہت بڑا ظالم و سفّاک اور انتہائی بے رحم انسان تھا۔ اپنی گورنری کے زمانے میں اس نے بے شمار لوگوں کو بے حد تکلیفیں پہنچائیں اور بہت سی اونچی شخصیتوں کو مبتلائے مصائب کیا۔ صحابہ اور تابعین بھی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ رہ سکے۔ لیکن اس کے بہترین کارناموں کی فہرست بھی بہت دراز ہے۔ اس کی کوششوں سے اندلس فتح ہوا، افریقہ پر اسلامی پرچم لہرایا، چین کی دیواروں تک اسلام کی آواز پہنچی، پورا سندھ زیرِ نگین ہوا، راجستان کے کئی شہر، گجرات کاٹھیاواڑ کے متعدد مقامات اور پنجاب کے بعض اہم بلاد و قصبات اس کی وجہ سے مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ محمد بن قاسم کو اسی نے برصغیر میں بھیجا تھا، جس کی تگ و تازِ مجاہدانہ سے اس ملک میں اسلام کی مشعل روشن ہوئی اور اس کے در و دیوار سے قال اللّٰہ و قال الرسول کی روح افزا صدائیں بلند ہونے لگیں۔ حجاج کا یہ بہت بڑا کارنامہ اور اتنی بڑی نیکی ہے کہ شاید اللّٰہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی تمام برائیاں ختم کر دے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ہود: ۱۱۴)
کہ نیکیوں کی لہر آتی ہے تو برائیوں کا خاتمہ کر ڈالتی ہے۔

برصغیر کے حالات سے حجاج بن یوسف کو خاص طور سے دلچسپی تھی۔ وہ دوسرے تیسرے دن محمد بن قاسم کو خط لکھتا اور جنگی حالات معلوم کرتا تھا۔ ان خطوط سے پتا چلتا ہے کہ وہ کس درجے معاملہ فہم اور مسائلِ حرب سے کتنا واقف تھا، اور اس کے اندر کا انسان کتنا نیک، اسلام کی ترویج کے لیے کس درجے بے قرار اور دین کی تبلیغ کے سلسلے میں کتنا مخلص تھا۔ تاریخ کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اس کے ظلم و سفّاکی کے واقعات نے اتنی شہرت پائی کہ اس کی اچھائیاں دب کر رہ گئیں۔ یہ خطوط اس کی اچھائیوں کو اجاگر کرتے ہیں۔

اس کے ان بہت سے خطوط میں سے جو اس نے محاذِ جنگ پر محمد بن قاسم کے نام لکھے، یہاں چند خطوط پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ خطوط ہم نے "چچ نامہ" سے لیے ہیں جو نہ صرف سندھ کی تاریخ کے متعلق پہلی اور بنیادی کتاب ہے، بلکہ پورے برصغیر پاک و ہند کے تاریخی سلسلے کا اوّلین نوشتہ ہے۔ اس میں سندھ کی قبل از اسلام کی حکومتوں کے مختصر حالات اور ۱۵ اھ سے ۹۶ھ (۶۲۷ سے ۷۱۴ء) تک ہندوستان کی شمال مغربی سرحدوں پر اسلامی فوج کے ابتدائی برّی اور بحری حملوں اور آخر میں مکران اور سندھ کی اسلامی فتوحات کا مفصل اور مستند ذکر موجود ہے۔ اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ قدامت کے لحاظ سے یہ کتاب بڑی تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔ اب ملاحظہ ہوں حجاج بن یوسف کے متعدد خطوط میں سے بارہ خطوط، اور ان کا تھوڑا سا پس منظر — !

پہلا خط

محمد بن قاسم کے لشکر نے جب شیراز میں جا کر منزل کی تو حجاج بن یوسف نے اسے چند لفظی خط لکھا کہ میں نے خُریم اور ابن مُغیرہ کو یہاں سے روانہ کیا ہے اور اُنھیں حکم دیا ہے کہ وہ دیبل کے آس پاس جا کر تم سے ملیں۔ اس لیے تمھیں بحری بیڑے کے پہنچنے تک انتظار کرنا چاہیے۔ تم اللہ کی حفظ و امان میں روانہ

ہو ۔۔۔ فی حفظ اللہ وامانہ۔

یہ خط لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ عراق سے خلیج فارس کے ذریعے جو بحری بیڑا محمد بن قاسم کی مدد کے لیے دیبل بھیجا گیا تھا، اس کے نگران ابن مُغیرہ اور خزیم کو مقرر کیا گیا تھا، اُنھیں تاکید کی گئی تھی کہ اس بیڑے کی جو متعدد جنگی کشتیوں پر مشتمل ہے، اچھی طرح نگرانی کی جائے، ایسا نہ ہو کہ دشمن کو اس کی روانگی کا پتا چل جائے اور وہ اس کے اصل مقام تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ اگر اس کو نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار نگران ہوں گے، نگرانی میں تساہل کی بنا پر اُنھیں سزا بھی دی جاسکتی ہے۔[۵۸]

دوسرا خط

محمد بن قاسم نے شیراز سے چل کر ارمائیل فتح کیا تو وہاں حجاج بن یوسف کا خط پہنچا، جس میں لکھا تھا کہ جب تم دیبل کی حد میں جا کر کسی مقام پر منزل کرو تو ہر طرف سے ہوشیار رہنا اور پھر جب اس شہر کے قریب جا کر خیمہ زن ہو جاؤ تو اپنے چاروں طرف خندق کھود لینا تاکہ دشمن سے محفوظ رہ سکو۔ تمھیں زیادہ وقت جاگتے رہنا چاہیے۔ تمھاری فوج میں جو حضرات قرآن کے حافظ ہیں، وہ ہمیشہ تلاوتِ قرآن میں مشغول رہیں، جو لوگ قرآن کے حافظ نہیں، وہ اللہ کے حضور دُعا و استغفار کرتے رہیں، ہر وقت ہر طرف نگاہ رکھو۔ تحمل اور بردباری کو اپنا شعار بناؤ، اللہ عزوجل کا ذکر زبان پر جاری رکھو اور اس کی نصرت و توفیق کے طالب رہو تاکہ وہ تمھیں فتح و کامرانی عطا فرمائے۔ زیادہ تر لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا ورد کیا کرو۔ (یعنی عظیم تر اور بزرگ تر اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا کوئی طاقت اور کوئی مدد انسان کے کام نہیں آسکتی)

جب دیبل میں پہنچو تو شہر کے اردگرد بارہ گز چوڑی اور چھ گز گہری خندق کھودنا

---

[۵۸] چچ نامہ ص ۱۳۰

اور اس کی مٹی کو سطحِ زمین سے چھ گز اونچی کر دینا تاکہ شہر میں بیٹھا ہوا کوئی شخص تم پر وار کرے تو تم خندق کی مٹی کی اوٹ میں آسکو۔ دشمن کا مقابلہ کرتے وقت خاموش رہو، اگرچہ دشمن نعرے لگائیں اور تمھارے خلاف کتنا بھی بکواس کریں جب تک میں حکم نہ دوں، جنگ شروع نہ کرنا۔ جو رائے میں دوں، اس پر عمل کرنا، انشاءاللہ تعالیٰ تمھاری مشکل حل ہو جائے گی۔[۵۹]

تیسرا خط

محمد بن قاسم جمعۃ المبارک کے دن محرم کے مہینے ۹۳ھ کو دیبل پہنچا تھا، اسی دن خُرَیم بن عمرو اور ابن مغیرہ کی نگرانی میں بحری بیڑا اسے ملا۔ ان دونوں نے حجاج بن یوسف کا خط اس کے حوالے کیا، جو مندرجہ ذیل سطور پر مشتمل تھا۔

تمھاری خدمت میں خاص آدمی مقرر کیے گئے ہیں۔ ان میں ایک عبدالرحمن بن سُلَیم کُلَیثی ہے، جس کی بہادری اور شجاعت کئی بار آزمائی جا چکی ہے، کوئی دشمن میدانِ جنگ میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

دوسرا سفیان بن اَبْرَد ہے جو نہایت دانا و زیرک، عقیل و فہیم، امین و صادق اور پاک دامن و پارسا ہے۔

تیسرا قطن بن مُدرِک کلابی ہے، جس نے بہت سے مشکل اور آڑے اوقات میں ہماری مدد کی ہے۔ ہم نے اس کو راست گو اور خوش اطوار پایا ہے۔ اپنے اوصاف گوناگوں کی بنا پر ہمارے نزدیک یہ قابلِ احترام شخص ہے۔ جو کام اس کے سپرد کیا جائے گا، خوش اسلوبی اور فرماں برداری سے سرانجام دے گا۔ اس کے دل میں ہمارے لیے کبھی سوئے ظن پیدا نہیں ہوا، یہ ہمیشہ ہمارا مددگار رہا ہے۔

چوتھا شخص جراح بن عبداللہ ہے، جس کا شمار جنگی معاملات میں تجربہ کار لوگوں میں ہوتا ہے۔ ہم اسے اہلِ فضیلت و شرافت میں سے گردانتے ہیں، بلکہ بہت

---

[۵۹] چچ نامہ ص ۱۴۳، ۱۴۷

سے امورِ پسندیدہ میں ہم اسے دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

پانچواں مُجاشع بن ثوبہ ازدی ہے۔ اس کا مقام بھی بڑا اونچا ہے اور میں اسے لائقِ اعتماد سمجھتا ہوں۔

یہ سب لوگ میرے معتمد مشیر ہیں۔ میں کسی کو ان سے بڑھ کر امین، راست باز اور حقیقت شناس نہیں سمجھتا۔ مجھے اُمید ہے، یہ تمھارے لیے نہایت مفید ثابت ہوں گے اور تمھارے خلاف کبھی کوئی حرکت نہیں کریں گے۔

یہ بھی یاد رکھو کہ بعض معاملات میں ان سے بھی زیادہ میں خُریم بن عمرو کو عزیز رکھتا ہوں، وہ مردِ دلیر، نہایت حوصلہ مند اور شیر دل ہے۔ میدانِ جنگ میں بہادری کا مظاہرہ کرتا ہے، نازک سے نازک موقعے پر بھی اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار نہیں ہوتے۔ وہ میرے منتخب آدمیوں میں سے ہے اور لائقِ تکریم ہے۔ اس کے آبا و اجدا دسراپا خلوص اور پیکرِ صدق وصفا تھے، یہ بھی انھی کے نقشِ قدم پر چل رہا ہے۔ خُریم تمھارا ہم رکاب ہو تو پھر مجھے کوئی خطرہ اور خدشہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ بڑا ہی پسندیدہ اخلاق اور نیک اطوار ہے۔ کسی کو یہ تمھارے خلاف نہیں ہونے دے گا، اسے اپنے سے ہرگز علیحدہ نہ کرنا۔ یہ خط پڑھنے کے فوراً بعد آج تک کے تمام حالات مجھے لکھ کر بھیجو۔ جب تک مفصل واقعات تحریر کر کے ارسال نہیں کر دو گے، اس وقت تک اپنے لیے کھانا پینا حرام سمجھو۔[۶]

محمد بن قاسم سے حجاج بن یوسف کو بے حد اُنس تھا اور اس سے وہ بڑی محبت کا برتاؤ کرتا تھا۔ سندھ کے محاذ پر بھیجنے کے بعد اس کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ دن میں کئی مرتبہ اس کی خیر و عافیت کے لیے صدقات کرتا اور بارگاہِ خداوندی سے اس کی کامیابی کے لیے دعائیں مانگتا۔ محمد بن قاسم کے دو جگری دوست تھے، جن میں سے ایک کا نام بکر بن وائل اور ایک کا عدیل بن فرخ تھا۔ اُنھوں نے اس کے دیارِ سندھ

---

[۶] چچ نامہ ص ۱۳۵، ۱۳۶

میں جانے کے بعد کئی اونٹنیاں قربان کیں اور ان کی قیمتوں میں اپنی بیویوں اور بیٹیوں کے زیورات دیے تاکہ ان کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

چوتھا خط

اس کے بعد محمد بن قاسم کے نام حجاج کا ایک اور خط آیا، جو محمد بن قاسم کے ایک خط کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس خط کے مندرجات معلوم کرنے سے پہلے اس کا پس منظر معلوم کرنا ضروری ہے۔

منقول ہے کہ محمد بن قاسم جب دیبل کے نواح میں آکر خیمہ زن ہوا تو فوراً خندق کھودنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اسلامی پرچم لہرایا اور نقارے بجائے۔ فوج کا جو دستہ جس مقام پر متعین کیا گیا، وہیں جما رہا۔ منجنیقیں جنگی سامان سے نکال کر سیدھی کھڑی کی گئیں۔ ایک منجنیق کا نام "عروس" تھا جو اتنی بڑی اور وزنی تھی کہ پانچ سو آدمی اس کو کھینچتے تھے۔

دیبل شہر کے عین وسط میں ایک بلند و بالا بت خانہ تھا۔ اس کے اوپر ایک گنبد تھا، جس پر ریشم کا سبز پرچم آویزاں تھا۔ بت خانے کی بلندی چالیس گز تھی اور اس کے اوپر جو گنبد تعمیر کیا گیا تھا، وہ بھی چالیس گز اونچا تھا۔ اس کے پرچم کی شکل کچھ اس طرح کی تھی کہ اس میں چار اور جھنڈے تھے، جن کے کھلنے پر ہر جھنڈا الگ الگ سمت میں پھیل جاتا تھا اور اس کے چکر اونچے اونچے برجوں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ جب باشندگان قلعہ نے اسلامی لشکر کو دیکھا تو بت خانے کا پرچم کھول کر جنگ کے لیے تیار ہو گئے، لیکن مسلمانوں کو ابھی جنگ کی اجازت نہیں ملی تھی۔

اس طرح سات دن گزر گئے۔ ہر روز حجاج بن یوسف کا خط آتا اور انتظار کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ آخر آٹھویں دن اجازت کا پروانہ آیا۔ محمد بن قاسم نے خط پڑھتے ہی فوج کو آراستہ کر کے شہر پر حملہ کر دیا۔ اب قلعے کے قریب رہنے والے قلعے کی طرف دوڑے اور اس کے اندر جا کر پناہ لی۔ اتنے میں ایک برہمن

اچانک قلعے کے اندر سے نکل کر باہر آیا اور سامان طلب کر کے بولا: "امیر عادل سلامت رہے۔ ہمارے علم نجوم کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ملک سندھ لشکر اسلام کے ہاتھوں فتح ہو گا اور کافر شکست کھائیں گے۔ لیکن اس بت خانے کا پرچم ایک طلسم ہے، جب تک یہ برقرار ہے، اس قلعے کا قبضے میں آنا ممکن نہیں۔ اس لیے اس بت خانے کی چوٹی مسمار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اس کا جھنڈا پھٹ کر پارہ پارہ ہو جائے اور فتح حاصل ہو۔"

برہمن کی یہ بات سن کر محمد بن قاسم نے جعونہ سُلمی توپچی کو بلایا۔ اس سے پوچھا: کیا تم بت خانے کا بڑا پرچم اور باقی جھنڈے منجنیق کے پتھر سے گرا سکتے ہو۔؟ اگر گرا دو گے تو دس ہزار درہم تمھیں انعام دیا جائے گا۔

جعونہ نے جواب دیا: یہ دارالخلافہ کی خاص منجنیق ہے، جسے عروس (یا عروسک) کہا جاتا ہے۔ اگر اسے دو گز کاٹ کر چھوٹا کر دیا جائے تو یہ ٹھیک زاویے میں آجائے گی اور نشانہ صحیح لگے گا۔ اس صورت میں یکے بعد دیگرے تین پتھر چلا کر بڑا پرچم اور تمام جھنڈے گرا کے بت خانے کی چوٹی مسمار کر دوں گا۔

محمد بن قاسم نے کہا: اگر تم پتھر سے بت خانے کی چوٹی اور جھنڈے کو گرا دو گے تو میں تمھیں دس ہزار درہم انعام دوں گا، لیکن اگر تم منجنیق بھی برباد کر دو اور بت خانہ بھی نہ ٹوٹے تو پھر کیا ہو گا۔؟

جعونہ نے پُر اعتماد اسلوب میں کہا: اگر نشانہ خطا ہو جائے تو میرے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔

اب محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو خط لکھا، جس میں یہ باتیں درج کیں جو جعونہ سے ہوئی تھیں۔ حجاج بن یوسف کی طرف سے کرمان کے راستے سے اس خط کا جواب آیا، جس میں لکھا تھا کہ جو شرط تم نے جعونہ توپچی سے کی ہے، وہ صحیح ہے۔ اگر اس معاملے میں میرے ساتھ اس کی بات چیت ہوتی تو میں بھی یہی شرط پیش کرتا جو تم نے کی ہے۔ اس جوابی خط میں اس نے محمد بن قاسم کو یہ بھی لکھا کہ

"جب جنگ کے لیے آگے بڑھو تو مناسب یہ ہے کہ سورج کی طرف پشت رکھو تاکہ دشمن کو اچھی طرح دیکھ سکو۔ جنگ شروع کرنے کے پہلے ہی دن اللہ تعالیٰ سے انتہائی عجز و عاجزی اور نہایت الحاح وزاری کے ساتھ نصرت و اعانت طلب کرو۔ اللہ ہی کامیابی عطا فرمانے والا ہے۔ سندھ کا جو آدمی امان طلب کرے، اسے امان دے دو۔ مگر یاد رکھو، دیبل کے کسی شخص کو کسی صورت میں پناہ نہ دینا"[۱۶]

یہ خط بہت مختصر تھا اور چند الفاظ پر مشتمل ۔۔! اس سے آگے دیبل کی جنگ کے سلسلے کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے۔ اور وہ یہ کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے قلعہ دیبل کے نجومیوں میں سے ایک نجومی محمد بن قاسم کے پاس آیا۔ اس نے کہا کہ "گزشتہ کچھ عرصے سے ہم جب بھی اپنی کتابوں سے نتیجہ نکالتے تھے، ہمیشہ یہی ظاہر ہوتا تھا کہ بادشاہِ ہند کی مدتِ حکمرانی پوری ہو چکی ہے اور اس ملک میں مسلمانوں کا دورِ حکومت آنے والا ہے۔ چنانچہ ان مسلمان قیدیوں کو جو سرندیپ کی کشتیوں سے گرفتار اور بُدَیل کے لشکر میں سے قید کیے گئے تھے، اسلامی لشکر کے آنے کی تسلی دی جاتی تھی ۔۔ اب اگر امیرِ عادل میرے اہل و عیال کو امان دیں اور ان کے لیے پروانۂ امن لکھ دیں تو میں ابھی واپس جا کر انھیں اطمینان دلاؤں کہ انھیں جان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

محمد بن قاسم نے اسے امان کا وعدہ دے کر واپس بھیجا اور کہا کہ وہ اپنے متعلقین کو مسلمان قیدیوں کے قریب لا کر بٹھا دے ۔۔ اس کے بعد وہ قلعے میں گیا اور مسلمان قیدیوں کو رہائی کا مژدہ سنایا اور بتایا کہ یہ شہر محمد بن قاسم کے ہاتھوں فتح ہوگا اور تمھیں آزادی نصیب ہوگی۔

دوسرے دن جوں ہی سورج مشرق سے ابھرا، محمد بن قاسم نے جعونہ تو پچی کو بلایا۔ یہ دیبل کی حدود میں اسلامی فوج کے پڑاؤ کا نواں دن تھا۔ جعونہ نے جس جگہ سے

---

[۱۶] چچ نامہ ص ۱۴۰

کہا ، منجنیق کاٹ دی گئی ۔ پھر فوج کو تیار کر کے قلعے کے چاروں طرف چکر لگائے اور تیر چلائے ۔ پانچ سو آدمی مضبوط رسّوں کے ساتھ منجنیق کھینچنے اور اسے صحیح مقام پر لانے کے لیے تیار کھڑے تھے ۔ منجنیق لائی گئی تو جعونہ نے پہلا پتھر پھینکا اور مسلمان فوج نے نعرہ تکبیر بلند کیا ۔ پہلے ہی وار میں جھنڈا پھٹ گیا اور لکڑی کے مضبوط سرے سے الگ ہوگیا ۔ پھر ٹھیک نشانہ باندھ کر دوسرا پتھر بت خانے کے گنبد پر مارا ، اور گنبد ٹوٹ کر نیچے زمین پر آرہا ۔ اس کے ساتھ ہی طلسمات ختم ہوگئے اور باشندگانِ دیبل میں حزن وحیرانی کی لہر دوڑ گئی ۔ پھر اللہ کی مدد سے قدیم اور مستحکم قلعہ بھی چند لمحوں میں زمین بوس ہوگیا ۔

اس سے آگے تفصیل میں جانا مقصود نہیں ۔ مختصر یہ کہ شہر کی ہر جانب سے اسلامی فوج نے یلغار کر دی اور شہر فتح ہوگیا ۔ اسی اثنا میں راجا داہر اور اس کے بعض متعلقین جان بچا کر بھاگ گئے ۔

دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے اس شخص کو حاضر کرنے کا حکم دیا ، جسے امان دی گئی تھی ۔ اس کی نشان دہی پر ان قیدی مسلمان عورتوں اور مردوں کو جو سرندیپ کی شاہی کشتیوں سے گرفتار کیے گئے تھے یا جن کو بُدیل کے لشکر سے پکڑ کر قید کیا گیا تھا ، جیل سے باہر نکال کر آزاد کیا گیا ۔ لیکن طویل عرصے تک قید و بند میں رہنے کی وجہ سے جو تکلیف اُنھیں پہنچی تھی اور جن اذیتوں سے اُنھیں دوچار کیا گیا تھا ، اس کے ازالے کے لیے ، کچھ مدت تک آرام و سکون کی غرض سے اُنھیں وہیں رکھا گیا ۔ اب ان کی حیثیت قیدی کی نہیں تھی ، شاہی مہمان کی تھی اور قلعہ ان کے لیے قید خانہ نہیں رہا تھا ، ریسٹ ہاؤس میں بدل گیا تھا ۔ محمد بن قاسم نے ان سے ملاقات کر کے اُنھیں تسلی دی اور ان کے لیے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کا اہتمام کیا ۔

محمد بن قاسم کے نام حجاج بن یوسف کا اصل خط (خط نمبر ۴) تو چند الفاظ پر مشتمل ہے ، لیکن اس کا پس منظر اور اس کی وصولی کے بعد کی باتیں کچھ تفصیل کی

طالب تھیں، اس لیے یہ سطور قدرے طوالت اختیار کر گئی ہیں۔

پانچواں خط

اب ملاحظہ ہو خط نمبر ۵ جو حجاج بن یوسف نے ۲۰۔ رجب ۹۳ھ کو محمد بن قاسم کے نام تحریر کیا، جب کہ اس کے ورودِ سندھ پر ایک مہینے سے چند روز اوپر ہوئے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کی جانب۔

ہماری یہ دلی تمنا اور روحانی خواہش ہے کہ تمھیں ہر حال میں کامیابی حاصل ہو اور ان شاء اللہ ضرور حاصل ہوگی۔ تم کامران و فتح مند ہوگے اور اللہ عزوجل کے احسان سے دشمن دنیا کی سزائیں گرفتار ہوں گے اور عاقبت کے عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔ تم اس وہم کا ہرگز شکار نہ ہونا کہ دشمن کے ہاتھی اور گھوڑے اور بے پناہ حربی سامان تمھارا راستہ روک سکیں گے، ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ دشمن تمھاری ہمت کے سامنے اللہ کی مدد سے مغلوب ہوگا۔ تمھیں اپنے حامیوں اور دوستوں کے ساتھ اچھی طرح رہنا چاہیے اور ہر ایک سے اس کے مقام و مرتبے کے مطابق عزت و احترام سے پیش آنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ ساری ولایت تمھاری ملکیت میں آئے گی۔ جس مفتوحہ قلعے سے لشکر کی ضروریات کی کوئی چیز میسر آئے، وہ لشکر پر خرچ اور جنگی تیاری میں صرف کرو۔ جہاں تک ممکن ہو، کھانے پینے کی ضروری چیزوں سے کسی کو مت روکو۔ اشیائے صرف کی ارزانی اور فراوانی کے لیے پوری کوشش کرو، تاکہ فوج میں غلہ سستا اور فراواں رہے۔ دیبل کے حاصل شدہ مال میں سے جو کچھ بچایا گیا ہے، اسے قلعے میں ذخیرہ کرکے نہ رکھو، لوگوں میں تقسیم کر دو۔ ملک فتح کر لینے اور قلعوں پر قابض ہونے کے بعد رعایا کے آرام و آسائش کا خیال رکھنا اور وہاں کے باشندوں کی دلجوئی کے لیے ساعی ہونا بہت ضروری ہے۔ یاد رکھو اگر کاشت کار، صنعت کار، دست کار اور تاجر آسودہ حال ہوں گے تو ملک سرسبز و آباد رہے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔[62]

[62] : چچ نامہ ص ۱۵۴، ۱۵۵

چھٹا خط

یہ اپنی نوعیت کا نہایت اہم خط ہے۔ اس میں محمد بن قاسم سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے عزم و ارادے میں استحکام پیدا کرے، معاملات جنگ میں عقل و تدبر کی قوتوں کو بروئے کار لائے، مخالف اسلام حکمرانوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرے۔ نیز اس خط میں حکمرانی کے اصول واضح کیے گئے ہیں، سفارت کے آداب سکھائے گئے ہیں، پیغام رسانی کے لیے ہدایات دی گئی ہیں، اپنی بات پورے زور اور جذبے سے کہنے کی تلقین کی گئی ہے اور مملکت کے نازک اور اہم مناصب پر نہایت قابلِ اعتماد اور لائق ترین افراد کو متعین کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خط کا ایک ایک لفظ لائقِ مطالعہ ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو ــــ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے بیٹے کریم الدین محمد بن قاسم۔ اللہ تعالیٰ تمھاری عزت برقرار رکھے۔

کئی قسم کے تکلفات اور طرح طرح کی تعظیمات سے آراستہ خط پہنچا اور جو حالات اس میں مرقوم تھے، معلوم ہوئے۔ اے بیٹے ــ آخر کیا بات ہے ــ؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی عقل و تدبیر اور فہم و فراست سے کام نہیں لیتے ــ؟ اے کاش ــ! تم لڑائی کرتے کرتے مشرق کے تمام بادشاہوں کو مغلوب اور کافروں کے سب شہروں کو برباد کر ڈالو۔ تم اس مہم کو سر کرنے سے آخر کیوں عاجز ہو ــ؟ اور دشمن کے شر کو ختم کر کے اب تک کیوں ان علاقوں پر مسلط نہیں ہو گئے۔؟ اللہ سے امید ہے حریف کے منصوبے ناکام ہوں گے اور وہ عساکرِ اسلام کے مقابلے میں مدافعت کی جو تجویزیں مرتب کر رہے ہیں، اس میں ان کو ہرگز کامیابی حاصل نہ ہو گی۔

تم دل مضبوط اور ارادہ مستحکم کرو، اور جس قدر مال و دولت خرچ کر سکتے ہو، بے دریغ خرچ کرو۔ حریف کے مخالفوں کو قابو میں لاؤ اور ان پر بوقلموں عطایا و انعامات کی بارش کر دو۔ جو شخص جو جاگیر مانگے یا جو علاقہ طلب کرے، بلا تامل دے دو،

کسی کو نا امید نہ کرو اور کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ، بلکہ یہ کرو کہ اس کی عرض قبول کر کے اسے امن کے پروانے اور اطاعت شعاری کے فرمان بھی لکھ دو، تاکہ یہ اپنے قلب و ذہن کے نہاں خانے میں اطمینان و سکون محسوس کریں۔ حصولِ سلطنت کے چار طریقے ہیں، جو تمھیں یاد رکھنا چاہییں۔

اوّل: سب سے صلح، عوام سے ہمدردی، احکام نہ ماننے والوں سے چشم پوشی اور رشتے داری کا لحاظ۔

دوم: رعایا پر بے پناہ دولت خرچ کرنا اور اُنھیں انعام و اکرام سے نوازنا۔

سوم: دشمنوں کی مخالفت کو صحیح طور سے سمجھنا اور مخالفوں کے مزاج سے باخبر ہونا۔

چہارم: لوگوں کو مرعوب کرنا، ان پر ہیبت طاری کرنا، ہر معاملے میں دلیری کا ثبوت دینا، مشکلات پر طاقت سے قابو پانا اور احکام جاری کرنے کے لیے دبدبے کا مظاہرہ کرنا۔

دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے اور اُنھیں ہزیمت سے دوچار کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہنا چاہیے۔ چھوٹے حکمران جو معروضات پیش کریں، اسے مانو اور مؤثق اقرار ناموں سے اُنھیں مطمئن رکھو۔ جب وہ تمھاری خدمت میں حاضر ہو کر خراج ادا کرنے کا وعدہ کریں تو پھر جو نقدی یا سامان کی صورت میں خزانے میں پہنچائیں، اسے قبول کرو اور ان سب کو ذہنی اور قلبی اعتبار سے مطمئن رہنے کی تلقین کرو۔

کسی کو کہیں قاصد اور پیغام رساں بنا کر بھیجنا چاہو تو ضروری ہے کہ پہلے اس کی عقل، مذہب، معاملہ فہمی، دور اندیشی اور امانت پر تمھیں کامل اعتماد ہو۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے کہیں جانے اور کوئی بات کہنے کی وجہ سے اسلام کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔

اپنے آپ کو دشمنوں کے اچانک حملے، مکر و فریب، حیلے بہانے، نقصان رسانی کے طریقے اور ان کے دھوکے سے محفوظ رکھو۔ ضروری معاملات

کی تکمیل میں دُور اندیشی سے کام لو اور ہر وقت ہوشیار اور چوکس رہو۔ جس علاقے میں تم اس وقت بیٹھے ہو، وہاں داہر تمھارا سب سے بڑا دشمن ہے، وہ تمھیں کئی طریقوں سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا، تم اس کے ہر وار کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

اپنا کوئی معتمد یا نمائندہ کسی کام کے لیے کہیں روانہ کرو تو اسے حکم دو کہ دشمن سے میل جول نہ رکھے اور اس کی ہم نشینی اختیار نہ کرے، ایسا نہ ہو کہ اس کا ذہن بدل جائے اور مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد کو نقصان پہنچ جائے۔ ایسے شخص کو وضاحت سے بتا دینا چاہیے کہ خیر خواہی کے کیا تقاضے ہیں اور اہلِ اسلام کا مفاد کن امور سے وابستہ ہے۔

جس شخص کو کوئی ضروری پیغام پہنچانے کے لیے راجا داہر یا کسی اور حکمران کے پاس بھیجو، اسے تاکید کرو کہ اس کے تمام امرائے مملکت اور رؤسائے دربار کی موجودگی میں بے دھڑک ہو کر پیغام دے، کسی سے کسی قسم کا خوف محسوس نہ کرے اور کسی سے مرعوب نہ ہو۔ پیغام کا جو وہ جواب دے، اُسے بھی اچھی طرح غور سے سنے، بات چیت میں کسی نوع کی نرمی اور چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے۔ قاصدوں، پیغام رسانوں اور سفیروں کی ہمت دلکش وعدوں سے بڑھانی چاہیے اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دینی چاہیے کہ وہ پورے اسلامی لشکر کے لائقِ اعتماد نمائندے ہیں، سب کی اُمیدیں ان کی گفتگو سے وابستہ ہیں، اُنھیں چاہیے کہ پوری قوتِ بیان سے پیغام رسانی کا فریضہ انجام دیں اور ان کا لہجہ زوردار اور مؤثر ہو۔

مسلمانوں کا قاصد اور پیغام رساں صاف زبان اور بے خوف آدمی ہونا چاہیے تاکہ پوری شان و شکوہ اور دھڑلے سے بات کر سکے اور کسی قسم کا لالچ اور حرص و طمع اس کے مافی الضمیر کے اظہار میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ اس میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ جن لوگوں کے پاس جا رہا ہے، اُنھیں بہترین الفاظ میں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دے اور بتائے کہ جو شخص اللہ کی وحدانیت کو تسلیم کر لے گا، اس کے احکام کی

اتباع کرے گا، اسے مال و دولت، جاگیریں اور زمینیں عطا کی جائیں گی۔

جو شخص اسلام کے سامنے سر جھکانے سے انکار کرے، اسے تنبیہ کی جائے کہ وہ فرمانبرداری کی راہ اختیار کرے۔ اگر پھر بھی اللہ اور رسول کی اطاعت سے گریزاں ہو اور سرکشی پر اُتر آئے تو اُسے صاف لفظوں میں کہہ دیا جائے کہ اب تم جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم میں کون سچا اور کون جھوٹا ہے، اس کا فیصلہ اب میدانِ جنگ میں تلوار کے ذریعے ہوگا۔

میری بات یاد رکھو، راجا داہر کو دریائے سندھ پار کرنے کا موقع نہ دینا۔ اس سے صاف لفظوں میں کہو کہ اگر بھاگ کر جانا ہی چاہتے ہو تو ہم روکیں گے نہیں، لیکن ہم چونکہ اتنا لمبا سفر طے کر کے یہاں آئے ہیں، اس لیے خود ہمیں دریا پار کرنا اور تمھارے مقابلے میں آنا چاہیے تاکہ معاملہ صاف ہو جائے اور دونوں فریقوں میں شک و ریب کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ دشمن کا مقابلہ کھلی جگہ اور کشادہ میدان میں کرو تاکہ پیدل، پیدل کو اور سوار، سوار کو اچھی طرح دیکھ سکیں اور کسی کو کسی کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

جب جنگ شروع کرو تو اللہ کے فضل و کرم پر بھروسا کرو اور اس کے احکام و فرامین کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ جو تقدیر میں لکھا ہے اور جو پردۂ غیب سے نمودار ہونے والا ہے، اس کا علم صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کو ہے۔ اللہ ہی کے دربار سے کسی فریق کی بادشاہت ختم ہونے کا حکم جاری ہوتا ہے اور وہی کسی جماعت کو حکمرانی سے نوازتا ہے۔

اگر دشمن تم کو یہ پیغام بھیجیں اور تم سے کہیں کہ دریائے سندھ تم عبور کر کے ہمارے پاس آتے ہو یا ہم تمھارے پاس آئیں۔؟ تو انھیں دریا پار کر کے اپنے پاس آنے کا اختیار نہ [illegible] بلکہ کہو کہ ہم ہی دریا پار کر کے آتے ہیں، تاکہ تمھارا رعب اور ہیبت دشمن کے [illegible] میں [illegible] جائے اور وہ یہ محسوس کریں کہ اگر اسلامی لشکر میں قوت اور طاقت نہ ہوتی تو یوں للکار کر یہ لوگ ہمارے سامنے نہ آتے۔

عرب کا اسلامی لشکر جو اس وقت تمھاری کمان میں ہے، مجھے یقین ہے اس کا کوئی سپاہی بھی پیٹھ دکھا کر نہیں بھاگے گا اور کسی صورت میں بھی جنگ سے منہ نہیں موڑے گا۔ یہ فوجی جان کی بازی لگادیں گے، یہ اللہ پر توکل کر کے جنگ کریں گے اور ہر موقعے پر ثابت قدم رہیں گے۔ ان کا دل لڑائی میں اور تیری اطاعت شعاری میں بالکل صاف ہے۔ ان کا اصل مقصد اللہ کی رضامندی حاصل کرنا ہے۔

دریا عبور کرنے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرو جہاں مضبوطی کے ساتھ قدم جما سکو۔ اس وقت تم اپنے ملک سے باہر، دور دراز کے علاقے میں ہو، سیدھی سادی گزرگاہوں سے بھی اچھی طرح سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر گزرو۔ دور اندیشی سے کام لو اور معاملات سے باخبر رہو، یہ بہت بڑی دولت اور اللہ کی نعمت ہے، اس کو ضائع نہ ہونے دو۔

میری ایک اور بات کو آویزۂ گوش بناؤ۔ جہاں سے گزرو اور جس طرف سے جاؤ، لشکر کو ہوشیار اور چوکس رکھو۔ اس کا میمنہ، میسرہ، قلب، مقدمہ اور ساقہ سیدھا رکھو۔ پیادوں اور اکیلوں کو پہلے بھیجو اور کچھ لوگوں کو درمیان میں رکھو۔[۶۳]

حجاج کے اس خط نے محمد بن قاسم کو نہایت متاثر کیا اور آگے کو قدم زن ہونے کے لیے اس کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

ساتواں خط

ایک اور خط پڑھیے جو بہترین الفاظ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے نام جو کچھ تحریر کیا ہے، وہ درج ذیل ہے۔

بعد تسلیمات کے واضح ہو کہ تم نے دریائے مہران پار کرنے اور راجا داہر سے جنگ کرنے کے بارے میں تحریر کیا ہے۔ بے شک تائید الٰہی سے مجھے اُمید واثق ہے کہ تم فتح مند اور کامیاب ہو گے اور تمھارا دشمن داہر ذلیل ہوگا۔ مجھے

---

[۶۳] چچ نامہ ص

اللہ پر کامل بھروسا ہے کہ جب دشمن تمہارے مقابلے میں آئیں گے تو آسمان کی گردش سے تمھیں کوئی بھی نقصان نہیں پہنچے گا، کیونکہ نمازوں کے پانچوں وقت اور خلوت و جلوت کا ایسا کوئی بھی لمحہ نہیں گزرتا کہ جس میں یہ غائبانہ دُعا نہ کی جاتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں کافروں پر فتح نصیب کرے اور وہ تمہارے مقابلے میں ذلیل و خوار ہوں۔ ازل میں جو حکم مقدر ہو چکا ہو، پردہ مُراد سے وہی ظہور پذیر ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک جو بات مناسب اور موزوں ہو، وہی عملی شکل میں سامنے آتی ہے۔

میں بارگاہِ خداوندی میں عجز اور فغاں کے ساتھ ہمیشہ عرض کناں رہتا ہوں کہ اے خداوندا، تو ایسا بادشاہ ہے کہ کوئی بھی تیرا ہمسر نہیں۔ تو لشکرِ اسلام کو اس کی حیثیت سے زیادہ قوت عطا فرما اور کامیابی سے ہم کنار کر ۔۔۔!

اللہ تعالیٰ کے فضلِ بے پایاں اور کرمِ لاانتہا سے اُمید ہے کہ تم اپنا مقصد حاصل کر کے ہم سے آملو گے۔

میں تمھیں تاکید کرتا ہوں کہ جس طرح بھی ممکن ہو، دریا پار کرو اور تائیدِ الٰہی کے لیے ہر وقت دست بدعا رہو۔ اس کی رحمت کو اپنے لیے ذریعۂ پناہ سمجھتے رہو تاکہ وہ تمھیں ان لوگوں کے شر سے محفوظ و مامون رکھے جو اپنی عقلوں پر فخر کرتے اور اپنی تدبیروں کو حرفِ آخر قرار دیتے ہیں۔

دشمن کے مقابلے میں اُترتے وقت رضائے الٰہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناؤ اور ساتھ ہی پوری ہمت اور شجاعت کا مظاہرہ کرو۔ یاد رکھو فتح و کامرانی اور تائیدِ الٰہی تمھارے ہم عنان اور نصرتِ خداوندی تمھارے شاملِ حال ہے۔ فرشتوں کی مدد اور مسلمانوں کی تلوار تمھاری طرف سے تمھارے حریفوں پر مسلّط ہے۔ ان ذلیل لوگوں کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور فرشتوں کی تلواروں اور نیزوں کی خوراک بنائے گا۔ غضبِ الٰہی کا دروازہ ان کے لیے کھلا ہوا ہے اور یہ پورے انتقام اور عبرت ناک انجام کے سزاوار ہوں گے۔

تم دریائے مہران عبور کرنے لگو تو گھاٹ کے کنارے کو اچھی طرح دیکھ لو اور

دریا پار کرنے کا پورا انتظام رکھو۔ پہلے ملکِ سندھ کے ان باشندوں کو جو کشتیوں پر متعین ہوں، پختہ وعدہ لے کر اپنے اطاعت گزار اور مخلص ترین فرمانبردار بناؤ، ان کے دل و زبان کے اخلاص کو اچھی طرح جانچ پرکھ لو، پھر دریا پار کرو۔

پانی چونکہ تمھاری پشت پر ہوگا، اس لیے اس طرف سے تمھیں دشمن کا کوئی خطرہ نہ ہوگا اور تمھیں کوئی تکلیف نہ پہنچا سکے گا۔ اس کے بعد جب تم ان کے گاؤں اور شہروں اور قلعوں میں داخل ہوگے تو کوئی بھی تم سے مقابلہ اور جنگ نہ کر سکے گا۔ ان میں یہ جرأت نہ ہوگی کہ تمھارے مقابلے میں آکر اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ وہ جس قلعے کو اپنی پناہ گاہ اور حفاظت کا ذریعہ بنائیں گے، اس پر جب تمھاری نظر پڑے گی، اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے اس کے دروازے تمھارے لیے کھل جائیں گے، اور ان کے دلوں پر تمھاری تلواروں کی ایسی ہیبت اور دہشت چھا جائے گی کہ کوئی ہتھیار ان کے کام نہ آئے گا۔ یہی ہیبت اور دہشت تمھاری کامیابی کا باعث بنے گی۔

جب وہ بھاگیں تو فوراً ان کے سامان اور خزانے پر قبضہ کر لو، لیکن اپنے آپ کو ان کے دھوکے اور فریب سے بچائے رکھو۔ اس کے بعد ان میں سے ہر شخص کو اسلام کی دعوت دو۔ جو شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو جائے، اس کی بہترین تربیت کرو۔ مطلب یہ کہ کوئی دشمنِ دین وہاں باقی نہ رہے۔ ان کا خون تمھاری تلواروں کے لیے مباح ہے۔

یہ دعا جو میرا وظیفہ اور معمول ہے ہر وقت پڑھتے رہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ ذَالِكَ بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ لَكَ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَكَ اِلَّا بِاِذْنِكَ۔ تَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا۔ وَلَا یُحِیْطُ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِكَ اِلَّا بِمَا شِئْتَ۔ وَسِعَ كُرْسِیُّكَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ وَلَا یَئُوْدُكَ حِفْظُهُمَا وَاَنْتَ

الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۔ وَبِاَنَّکَ اَنْتَ الْاَحَدُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ بِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ رَبَّ الْوُجُوْهِ وَخَالِقَ الْوُجُوْهِ وَقَاهِرَ الْوُجُوْهِ وَالْقَادِرِ عَلَى الْوُجُوْهِ لَكَ الْخَيْرُ وَالْكَرَمُ وَالْكَلِمَاتُ التَّامَّاتُ ۔ فَارْزُقْنَا مَعَ ذَالِكَ شُكْرًا لِنِعْمَتِكَ وَمَعْرِفَةً لِحَقِّكَ وَعَمَلاً بِرِضْوَانِكَ ۔

والسلام علیک ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۔

ترجمہ : اے ہمارے اللہ ۔! ہم تیری بارگاہ میں کاسۂ سوال لیے کھڑے ہیں ، اس لیے کہ تو ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے ، جس پر نہ کوئی اونگھ طاری ہوتی ہے اور نہ اسے نیند آتی ہے ۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے ، وہ سب تیری عطا ہے ۔ ایسا کون ہے جو تیری اجازت کے بغیر تیرے پاس کسی کی سفارش کرے ۔؟ جو بھی ہمارے آگے یا پیچھے ہے ، اس کی تفصیل اور ماہیت کو تو ہی جانتا ہے اور تیری مشیئت کے بغیر ہم تیرے علم میں سے کسی بھی چیز کو سمجھ نہیں سکتے ۔ تیری حکمرانی آسمانوں اور زمین میں پھیلی ہوئی ہے اور اس کی حفاظت و نگرانی تیرے لیے ہرگز کسی قسم کی تکلیف کا باعث نہیں ، تو غالب اور عظیم ہے ۔ ہم اس لیے بھی تیرے حضور دستِ سوال دراز کرتے ہیں کہ تو واحد اور بے نیاز ہے ، جس نے نہ کسی کو جنا ہے اور نہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا درجہ رکھتا ہے ۔ ہم اس لیے بھی تیری درگاہ میں ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ تو ہی سب کا پروردگار اور سب پر غالب ہے ، سب کا خالق اور سب پر قادر ہے ، خیر و کرم کے لاتعداد خزانے تیرے ہی قبضے میں ہیں ، مکمل و اکمل کلمے تیری ہی ذاتِ اعلیٰ و ارفع کے ہیں ۔ ان کی وجہ سے ہمیں اپنی نعمت کا شکر ادا کرنے ، معرفتِ حق سے بہرہ ور ہونے اور اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرما[۶۴]

آٹھواں خط

اب ایک اور خط ملاحظہ فرمائیے جو حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے نام

[۶۴] چچ نامہ ص ۱۹۴ تا ۱۹۸

اس کے ایک خط کے جواب میں تحریر کیا۔

پیارے فرزند عماد الدین محمد بن قاسم ۔! تم نے جو کچھ لکھا ہے، وہ معلوم ہوا۔ تم نے دشمنوں کا جو طریقہ بیان کیا ہے، اس سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، یہ سراسر مکروفریب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی توفیق سے حالات تمھاری کامیابی کا پتا دیتے ہیں۔ اللہ کی بارگاہ میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنا تمام ضروری کاموں پر مقدم قرار دو ۔ تکبیر، قیام، قرأت، رکوع، سجود اور قعود کے وقت عجز و عاجزی کے ساتھ اللہ سے مدد طلب کرو اور زبان کو ذکرِ الٰہی سے تر رکھو تاکہ تمھارے سب کام باقاعدہ اور باترتیب رہیں۔ یاد رکھو، اللہ کی عنایت اور کرم کے سوا کوئی شخص طاقت اور دبدبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر تم بادشاہوں کے بادشاہ اللہ عزوجل کے فضل و کرم پر کامل بھروسا کرو گے اور اسی کو مرکزِ عقیدہ و یقین قرار دو گے تو تمھاری سب تمنائیں پوری ہوں گی اور فتح و نصرت تمھارا مقدر ٹھہرے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ ۔[۶۵]

نواں خط

جب پورا سندھ فتح ہو چکا اور ہندوستان کے کئی علاقے مسلمانوں کے تسلط میں آ گئے تو محمد بن قاسم نے وہاں کے غیر مسلموں پر جزیہ مقرر کیا اور اس کی وصولی کے لیے انھی میں سے بعض لوگوں کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ اس سے ان کو یہ یقین دلانا تھا کہ اسلامی حکومت کے نزدیک غیر مسلم رعایا کو خاص احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کا مقام و مرتبہ بڑا اونچا ہے۔

کاشت کاروں، تجارت پیشہ لوگوں، صنعت کاروں اور مزارعوں کی ایک فہرست بنائی گئی اور اُنھیں معززینِ ملک میں گردانا گیا۔ برہمنوں نے بھی درخواست کی کہ وہ بھی خاندانی اعتبار سے ملک کے عوام و خواص میں اپنا اثر و رسوخ رکھتے ہیں اور اُنھیں ہمیشہ لائقِ تکریم قرار دیا گیا ہے۔ اس درخواست کی بہت سے سرکردہ مقامی لوگوں

---

۶۵ : چچ نامہ ص ۲۲۶، ۲۲۷

نے تصدیق کی ۔ اس کے بعد برہمنوں کو بھی بڑا اعزاز حاصل ہوا اور مختلف علاقوں میں اُنھیں اہم خدمات کی انجام دہی پر مامور کیا گیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حکومت میں باقاعدہ حصّے دار کی حیثیت سے کام کرنے لگے اور اسلامی مملکت میں ان کا وقار بلند ہوا ۔

اس کے بعد برہمنوں کا ایک نمائندہ وفد محمد بن قاسم کی خدمت میں آکر عرض گزار ہوا کہ لوگوں کے غمی شادی کے موقعے پر ان کو خیرات دی جاتی اور نذرانے پیش کیے جاتے تھے ، اب وہ ختم ہو چکے ہیں ۔ نیز بت خانوں میں بتوں کے نام پر جو نذریں دی جاتی تھیں ، اس کا خاص حصّہ ان کے تصرف میں آتا تھا ۔ بتوں کی پوجا کے لیے دور و نزدیک سے جو لوگ آتے تھے ، وہ بھی ان کی مالی مدد کرتے تھے ۔ اب یہ سارا سلسلہ ختم ہو گیا ہے ۔ علاقے کے لوگوں نے بھی برہمنوں کی تصدیق کی ۔ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ بت خانوں میں پہلے کی طرح ان کا اثر و رسوخ قائم رہے اور ان کے مندروں کو نقصان نہ پہنچایا جائے ۔

محمد بن قاسم نے یہ صورت حال حجاج بن یوسف کو لکھی تو اس نے برہمنوں کے مطالبے کو صحیح قرار دیا اور ان کی منشا کے مطابق اس پر عمل کرنے کی تاکید کی ۔ حجاج بن یوسف کے خط کا ترجمہ یہ ہے :

تمھارا خط ملا ۔ جو حالات تم نے تحریر کیے ہیں ، وہ میرے علم میں آئے ۔ جن میں سے ایک بات یہ ہے کہ برہمن آباد کے سرکردہ لوگ بدستور سابق بت خانے کی آبادی اور اپنے مذہب کے مطابق عمل کرنے کے لیے عرض گزار ہیں ۔ جس طریقے سے اُنھوں نے ہماری فرمانبرداری کے دائرے میں داخل ہو کر دارالخلافہ کو جزیہ دینا منظور کیا ہے ، وہ قابلِ تعریف ہے ۔ جزیے کی وصولی کے علاوہ ہمارا ان پر کوئی حق اور تصرّف نہیں ۔ جب وہ ذمّی ہو چکے تو ان کے مال اور خون پر ہم ہرگز دست درازی نہیں کر سکتے ، بلکہ ان کی حفاظت کرنا ہم پر فرض ہو گیا ہے ۔ اُنھیں اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت حاصل ہو گئی ہے ۔ تم ان میں سے کسی کو اس کے عقیدے اور طریقے

کے مطابق عبادت کرنے سے مت روکو۔ اُنھیں اختیار حاصل ہے کہ اپنے عبادت خانوں میں، اپنے گھروں میں اور گھروں کے باہر، ہر جگہ اپنے مذہب پر بلا روک ٹوک عمل کریں اور اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔[٦٦]

حجاج بن یوسف کا یہ خط جب محمد بن قاسم کو پہنچا تو اس نے ان لوگوں کو وہی مرتبہ عطا کیا جو اسلام میں یہود اور نصاریٰ کا بیان کیا گیا ہے۔

دسواں خط

حجاج بن یوسف نے ایک خط میں محمد بن قاسم کو مندرجہ ذیل باتیں تحریر کیں۔

جس طرح تم سپاہ داری، رعایا نوازی، خلق پروری اور کاروبارِ مملکت کے انتظام و انصرام میں کوشاں ہو، وہ ہر اعتبار سے قابلِ ستائش ہے۔ مختلف مقامات پر تم نے جو مال مقرر اور معیّن کیا ہے اور رعایا کے تمام طبقوں سے جس انداز میں شریعت کے دستور اور اصول کے مطابق برتاؤ کیا ہے، وہ حکومت کے استحکام اور سلطنت کے بہترین انتظام کا باعث ثابت ہوا ہے۔ لیکن تمھیں اب اس مقام پر جہاں تم مقیم ہو، مزید قیام نہیں کرنا چاہیے۔ ہند اور سندھ کی بادشاہت کے مرکز اور ستون اروڑ اور ملتان ہیں، جنھیں بادشاہوں کے تخت گاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ بادشاہوں کے خزانے اور دفینے بھی ان دونوں شہروں میں ہوں گے۔ اگر قیام ہی کرنا ہے تو کسی مرکزی جگہ پر کرو تاکہ تمام سندھ اور ہند تمھارے قبضے میں آجائے۔ جو شخص اسلام کی اطاعت سے گریزاں ہو، اُسے قتل کر ڈالو، اللہ تعالیٰ تمھاری مدد کرے گا۔

ہند کے شہروں سے لے کر چین کی حدود تک کے علاقے فتح کرنا تمھارا فرض ہے۔ قتیبہ بن مُسلم کو بھی چین کے علاقوں کی فتوحات پر مامور کیا گیا ہے۔ تمام عراقی غلام اس کی طرف منتقل کیے جائیں اور جہیم بن زحر بن قیس کو بھی اس کے پاس بھیجا جائے،

---

[٦٦] - چچ نامہ ص ۲۹۸، ۲۹۹

اور سب عراقی لشکر اس کی کمان میں دے دیا جائے ۔ تم خود بھی یہ کارنامہ انجام دو تاکہ تمھارے باپ قاسم کا نام روشن ہو اور دشمن عاجز اور پریشان ہوں ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ [۶۷]

گیارھواں خط

حجاج بن یوسف کا گیارھواں خط درج ذیل الفاظ پر مشتمل ہے ۔

اے محمد ۔! تحریری طور پر ہم سے مشورہ لیتے رہو، یہی تمھاری چوکسی اور مستعدی کی دلیل ہے ۔ بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہمارے درمیان پردہ حائل رہتا ہے ۔ تم کوشش کرو کہ شہر کے چاروں سربراہ تمھاری اطاعت کے لیے بے قرار ہوں ۔ تم ان کی ہر لحاظ سے دلجوئی کرتے رہو ۔ [۶۸]

حجاج کے اس خط میں شہر سے مُراد برہمن آباد ہے، جو بعد میں "بھانبھرا" کے نام سے موسوم ہوا ۔ اس شہر اور اس کے قرب وجوار کے قصبات و دیہات کا انتظام محمد بن قاسم نے چار آدمیوں کے سپرد کیا تھا ۔ انھی چار آدمیوں کے بارے میں حجاج بن یوسف نے لکھا ہے کہ انھیں تمھارے انتہائی وفادار اور اطاعت شعار ہونا چاہیے ۔

بارھواں خط

ایک خط میں حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کو لکھا کہ: جو شخص تمھارے ساتھ برسرِ پیکار ہو، اسے قتل کر دو، بصورتِ دیگر اس کی بیٹیاں اور بیٹے ضمانت کے طور پر قید میں بند رکھو ۔ جو لوگ فرمانبردار ہیں اور اُن کے دل تمھاری طرف سے صاف ہیں، اُنھیں امان دے کر ان کے ذمّے جزیہ مقرر کرو ۔ دست کاروں اور تاجروں پر بہت ہلکا بوجھ ڈالو ۔ جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ زراعت اور کاشت کاری میں

---

[۶۷] ۔ چچ نامہ ص ۳۰۳، ۳۰۴

[۶۸] ۔ چچ نامہ ۳۰۵ ۔

بہت محنت کرتا ہے، اس سے قانونی محصول کی وصولی میں رعایت اور ہمدردی کرو۔ جو اسلام قبول کرلے، اس کی زراعت سے دسواں حصّہ وصول کیا جائے اور جو ہندو دھرم پر قائم رہے، اس کے کارخانے اور زراعت سے ملک کے قانون کے مطابق دیوانی محصول کا حصّہ وصول کیا جائے، اور یہ خدمت وہ عامل سرانجام دیں جنھیں حکومت کی طرف سے اس پر مامور کیا جائے۔[۶۹]

حجاج بن یوسف کے اُن بہت سے خطوط میں سے جو اس نے محمد بن قاسم کے نام سندھ اور ہند کی جنگ کے زمانے میں لکھے، یہ صرف بارہ خطوط ہیں جو اس موضوع کی قدیم کتاب چچ نامہ سے نقل کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد خطوط چچ نامہ اور دیگر کتبِ تاریخ میں مندرج ہیں۔ ان خطوط میں حجاج بن یوسف کا جہاں وہ کردار جھلکتا ہے جو اس کو ظالم و سفّاک حکمران کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے، وہاں اس کی زندگی کا وہ پہلو بھی اجاگر ہوتا ہے، جس میں نرمی، دُور اندیشی، ذکرِ الٰہی اور خوفِ خدا کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔

ان خطوط سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کا حریص اور مسلمانوں کی ترقی کا دل سے خواہاں تھا۔ وہ بہت بڑا جرنیل اور فنونِ حرب سے خوب آگاہ تھا۔ وہ چاہتا تھا، مسلمان ہر میدان میں آگے بڑھیں اور اسلام کا بول بالا ہو۔ اس کی قلبی تمنّا تھی کہ ہر خطّے میں اللہ کے دین کی آواز پہنچے اور احکامِ شریعت کی سربلندی ہو۔ اس کے لیے وہ سختی کا بھی قائل تھا اور نرمی کا بھی ۔۔۔! اگر یہ تمام خطوط جمع کیے جائیں جو بہت سی معلومات پر محیط ہیں تو اچھی خاصی کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔

یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ حجاج بن یوسف نے اسی سامانِ حرب کو کافی نہیں سمجھا جو محمد بن قاسم اپنے ساتھ لے کر واردِ سندھ ہوا تھا، بلکہ بعد میں بھی اس

---

[۶۹] : چچ نامہ ص ۔ ۳۱۱

نے مختلف مواقع پر جنگی سامان اور اشیائے اکل و شرب کی ترسیل کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھا۔ ایک مرتبہ محمد بن قاسم نے اسے خط لکھا کہ بہت سے گھوڑے مر گئے ہیں اور یہاں گھوڑوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے، چنانچہ حجاج نے اسے دو ہزار بہترین گھوڑے بھیجے اور ساتھ ہی خط لکھا کہ قابل اعتماد بہادروں، فوج کے مستحق سرداروں اور خود تمھارے لیے گھوڑے نہایت ضروری ہیں۔ گھوڑے ان لوگوں کو دیے جائیں جو واقعی ان کے مستحق ہوں، اور اپنی سواری کو، اگرچہ وہ پرائی ہو، اپنی ذاتی سواری سمجھیں۔[۱۰]

گھوڑوں کے علاوہ محمد بن قاسم کی طلب پر فوجیوں کے لیے عراق سے سرکہ بھی بہت بڑی مقدار میں بھیجا گیا۔ سرکہ لے جانے والوں کے ہاتھ حجاج بن یوسف نے محمد بن قاسم کے نام جو خط لکھا، اس میں تحریر کیا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان نِعْمَ الْاَدَامُ الْخَلُّ (سرکہ بہترین سالن ہے) کے مطابق سرکہ طلب کیا ہے۔ یہ سرکہ تمھیں دھنکی ہوئی روئی میں جذب کر کے بھیجا جا رہا ہے۔ جب یہ پہنچے، اسے پانی میں تر کر لیا جائے، اس میں سے سرکہ نکل آئے گا۔[۱۱]

محمد بن قاسم کے بارے میں سلسلۂ کلام خاصا طویل ہو گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے متعلق بعض ایسی باتیں مشہور کر دی گئی ہیں، جو اصل واقعات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ ہم نے ان سطور میں اپنے معزز قارئین کی خدمت میں صحیح واقعات پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

---

[۱۰] : چچ نامہ ص ۲۰۵، ۲۰۶۔

[۱۱] : چچ نامہ ص ۲۰۷

تبع تابعین

تعداد ــــــــــــ ۱۸

آئندہ سطور میں اُن تبع تابعین کا ذکر کیا جارہا ہے جو برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ تعداد میں یہ اٹھارہ بزرگ ہیں، جن کے تھوڑے بہت حالات میسر آسکے ہیں۔ یہ لائق تکریم حضرات جو خیر القرون سے تعلق رکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے شاگردوں (یعنی تابعین) کے فیض یافتہ ہیں۔

۱۔ اسرائیل بن موسیٰ بصری رح

اسرائیل بن موسیٰ بصری کی کنیت ابوموسیٰ تھی۔ یہ وہ تبع تابعی تھے جو دراصل باشندے تو بصرے کے تھے، مگر ہند میں اقامت گزیں ہوگئے تھے۔ انھوں نے حسن بصری، ابوحازم اشجعی، محمد بن سیرین اور وہب بن منبہؒ سے روایتِ حدیث کی جن کا شمار جلیل القدر تابعین کی جماعت میں ہوتا تھا۔ خود اسرائیل بن موسیٰ بصری سے استفادہ فی الحدیث کرنے والے بھی عالی مرتبت بزرگ ہیں اور وہ ہیں سفیان ثوری، ابن عیینہ، یحییٰ ابن سعید قطان، حسین بن علی جعفی اور دیگر حضراتِ کرام۔

ابن حبان نے ان کو ثقہ راویانِ حدیث میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے۔

کان یسافر الی الھند

کہ تجارت کے سلسلے میں ہندوستان میں آمد و رفت رکھتے تھے۔

صحیح بخاری میں ان کے سلسلۂ سند کی ایک حدیث چار مقامات پر درج ہے۔ ولہ فی صحیح البخاری فرد حدیث مکرر فی اربعۃ مواضع۔

ابو حاتم اور یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔
اسرائیل صاحب الحسن ثقۃ
یعنی امام حسن بصری کے شاگرد اسرائیل بن موسیٰ ثقہ راوی ہیں۔
ابو حاتم ان کے متعلق فرماتے ہیں۔ لا باٴس بہ۔
امام نسائیؒ کا فرمان ہے۔ لیس بہ باٴس۔
ازدی ان کو "لین" یعنی روایت حدیث میں کمزور قرار دیتے ہیں۔ ازدی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ وہ اسرائیل بن موسیٰ نہیں ہیں جو وہب بن منبہ سے روایت کرتے ہیں اور جو سفیان ثوری کے استاد ہیں، بلکہ وہ ایک یمانی شیخ ہیں۔
سمعانی نے الانساب میں ان کے انتساب ہند کے متعلق لکھا ہے۔
ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ الھندی بصری کان ینزل الھند فنسب الیھا۔
یعنی ابوموسیٰ اسرائیل بن موسیٰ ہندی دراصل بصرے کے باشندے تھے۔
چونکہ ہندوستان میں ان کا آنا جانا تھا، لہذا ہند کی طرف منسوب گئے۔
ان کا تعلق محدثین کے طبقہ سادسہ سے ہے
بہر حال اسرائیل بن موسیٰ حقیقتاً بصری ہوں یا ہندی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خطۂ ہند سے ان کا تعلق تھا اور سکونت و اقامت کے اعتبار سے وہ ہندی مشہور تھے۔[۱]

---

[۱] الانساب سمعانی، ورق ۵۹۳ زیر لفظ السندی۔ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۶۱ — نزہتہ الخواطر ج ۱ ص ۲۳۔

۲- کرز بن ابو کرز عبدی

کرز بن ابو کرز عبدی حارثی کوفی ۔ کرز کے والد کا نام وبرہ تھا، لیکن عربوں کے رواج کے مطابق وہ اپنی کنیت ابو کرز سے مشہور تھے ۔ قبیلہ بنو عبدالقیس سے تعلق رکھتے تھے جو بنو حارث بن انمار کی ایک شاخ تھی ۔

کرز نہایت متقی، پرہیزگار اور عابد و زاہد تھے ۔ ابن جوزی نے انھیں کوفے کے تابعین میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کا تعلق اصحاب الحدیث کے طبقہ رابعہ سے ہے ۔

کرز اصلاً کوفے کے رہنے والے تھے، لیکن وہاں سے ایران کے شہر جرجان چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ محمد بن فضیل اپنے باپ (فضیل) سے بیان کرتے ہیں کہ وہ (یعنی فضیل) کرز سے ملاقات کے لیے ان کے گھر گئے ۔ وہ ٹاٹ کے مصلّے پر کمبل اوڑھے بیٹھے تھے اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے ۔ اللہ نے ان کو یہ توفیق مرحمت فرمائی تھی کہ دن اور رات میں تین قرآن مجید ختم کر لیتے تھے ۔ گھر سے باہر نکلتے تو لوگوں کو امر بالمعروف کرتے ۔ لوگ ان کی تبلیغ سے تنگ آ کر بعض اوقات انھیں اس قدر مارتے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے ۔

شبرمہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کرز حارثی کے ساتھ ہم سفر کر رہے تھے اور بصرے جا رہے تھے ۔ راستے میں جہاں کوئی ایسا قطعہ زمین آتا جو کرز کی نگاہوں میں خوب صورت معلوم ہوتا، وہاں جا کر وہ نماز پڑھنا شروع کر دیتے اور نماز سے فارغ ہو کر اگلے سفر پر روانہ ہوتے ۔ وہ کہتے ہیں کرز حارثی مستجاب الدعوات تھے، جو چیز اللہ سے مانگتے مل جاتی ۔ انھوں نے اللہ سے اسم اعظم کا سوال کیا جو اللہ نے عطا فرما دیا ۔ وہ چاہتے تھے اللہ سے دُنیا کی کوئی چیز نہ مانگیں، صرف اسم اعظم سے بہرہ مند ہونے کی التجا کریں ۔ اُنھوں نے اللہ سے یہ دُعا بھی مانگی کہ اُنھیں اتنی ہمت اور طاقت عطا فرما دی جائے کہ وہ قرآن مجید پڑھتے میں مشغول رہیں ۔ وہ دن اور رات میں تین قرآن مجید ختم کر لیتے تھے ۔

خلف بن تمیم کہتے ہیں ایک مرتبہ کرز بن وبرہ حارثی ہمارے ہاں کوفے میں آئے۔ قرائے کوفہ کثیر تعداد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں بھی ان کی اقامت گاہ پر گیا۔ کافی دیر ہم لوگ حاضر خدمت رہے۔ اس اثنا میں میں نے ان کی زبان سے صرف دو باتیں سنیں — ایک یہ کہ؛

صلوا علیٰ نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم، فان صلاتکم تعرض علیہ۔

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ درود بھیجا کرو۔ تمہارا درود بارگاہِ پیغمبر میں پیش کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ سنی۔

اللھم اختم لنا بخیر۔

اے اللہ ہماری عاقبت بہتر فرما دے۔

خلف بن تمیم کہتے ہیں اس اُمت میں کرز حارثی سے زیادہ میں نے کسی کو اللہ کا عبادت گزار بندہ نہیں دیکھا۔ وہ سوار ہوتے جب بھی نماز پڑھتے اور سواری سے اُترتے تو بھی نماز پڑھنا شروع کر دیتے۔

کرز حارثی کا غلام صبیح کہتا ہے مجھے ایک بزرگ ابو سلیمان نے بتایا کہ میں نے ایک مرتبہ کرز کی رفاقت میں مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور اثنائے سفر میں ان کے متعلق بعض نہایت عجیب وغریب باتیں مشاہدے میں آئیں۔ ایک دن وہ ہم سے کہیں علیحدہ ہو گئے۔ قافلے کے تمام لوگ ان کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے، مگر کسی کو ان کا سراغ نہ ملا۔ میں نے بھی ان کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ جنگل کے ایک کونے میں پہنچا تو سخت گرمی کا احساس ہوا۔ اتنے میں آگے دیکھا تو کرز حارثی نماز پڑھ رہے ہیں اور بادل ان پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ اس صورت حال سے مجھے انتہائی تعجب ہوا اور خاموشی سے کھڑا اُنھیں دیکھتا رہا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو اُن کی نگاہ مجھ پر پڑی اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا:۔ ابو سلیمان! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔

میں نے عرض کیا:۔ فرمایئے حاضر ہوں۔

بولے :۔ مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ آج جو کچھ تم نے دیکھا ہے، کسی کو بتاؤ گے نہیں ۔

میں نے قسم کھائی کہ جب تک آپ زندہ ہیں، کسی کو نہیں بتاؤں گا ۔

عمرو بن حمید کا کہنا ہے کہ جرجان کے ایک شخص نے بتایا کہ کرز کی وفات کے موقعے پر ایک شخص نے خواب دیکھا کہ جرجان کے قبرستان میں مدفون لوگ نیا لباس پہنے اپنی اپنی قبر پر کھڑے ہیں ۔ ان سے پوچھا گیا :۔ یہ کیا معاملہ ہے ؟

اُنھوں نے جواب دیا : قبرستان میں کرز حارثی تشریف لا رہے ہیں ۔ ان کے استقبال کے لیے ہم نے نئے کپڑے پہنے ہیں ۔

کرز حارثی تبع تابعین کی جماعت کے جلیل القدر رکن تھے ۔ اُنھوں نے نعیم بن ابی ہند اور ربیعہ بن زیاد سے حدیث روایت کی اور کرز سے سفیان ثوری، ابن شبرمہ، فضیل بن غزوان، ورقا بن عمر اور عبید اللہ وصافی نے درسِ حدیث لیا ۔

حافظ ذہبی ان کو تابعی اور حافظ ابن حجر تبع تابعی قرار دیتے ہیں ۔ ابن حبان نے ان کو ثقہ راویانِ حدیث میں گردانا ہے اور کہا ہے کہ یہ نہایت عبادت گزار محدث تھے ۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت (۴۵ھ) میں جو فوج قلات کی طرف روانہ کی گئی، کرز حارثی اس میں شامل تھے ۔ اس جنگ میں اُنھیں کامیابی حاصل ہوئی ۔ کامیابی کے بعد واپس گئے تو حضرت معاویہ نے ان کو دوبارہ قلات بھیج دیا تھا ۔[۲]

---

[۲] التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۲۲۸ ۔ الاصابہ ج ۳ ص ۳۰۲ ۔ جمہرۃ انساب العرب ص ۲۹۵ ــــ الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۱۷۰ ــــ الکنی والاسماء ج ۲ ص ۹۲ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۱۱ ــــ العقد الثمین ص ۱۰۳ تا ۱۰۵

۴ - معلیٰ ابن راشد بصری ؒ

معلیٰ ابن راشد نبال ہذلی بصری - معلیٰ کی کنیت ابوالیمان تھی اور یہ سنان بن مسلمہ بن محبق ہذلی کے مولیٰ تھے - تبع تابعین کی عالی مرتبت جماعت کے یہ وہ مرد مجاہد تھے، جنھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں ۵۰ ہجری کو قلات کی جنگ میں حصّہ لیا -

راشد کے قتل کے بعد ۵۰ ہجری کو زیاد نے جب سنان بن سلمہ بن محبق کو ایک لشکر کے ساتھ حدودِ ہند کے مفتوحہ علاقوں کا والی بنا کر بھیجا تو معلیٰ ابن راشد اس لشکر میں شامل تھے اور اس لشکر نے سنان کے زیرِ کمان جہادِ قلات میں شرکت کی تھی - اس ضمن میں خلیفہ بن خیاط نے ۵۰ ہجری کے واقعات بیان کرتے ہوئے اپنی تاریخ میں معلیٰ بن راشد کے متعلق جو الفاظ نقل کیے ہیں، ان کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے - وہ کہتے ہیں -

> ہم سنان کی کمان میں قلات کے محاذِ جنگ پر آئے تو ہم نے دیکھا کہ سامنے دشمن کی بہت بڑی فوج کھڑی ہے - سنان نے یہ صورتِ حال دیکھ کر ہم سے کہا، تم خوش رہو، تمھیں دو چیزوں میں سے ایک ملنے والی ہے - جنت یا مالِ غنیمت - ! پھر سنان نے سات پتھر اُٹھائے اور فوج کو روک لیا - کہا جب تم دیکھو کہ میں نے حملہ کر دیا ہے تو تم بھی حملہ کر دو - پھر جب آفتاب آسمان کی تہہ سے باہر آیا تو سنان نے دشمن کی طرف ایک پتھر پھینکا اور اللہ اکبر کہا - پھر ایک ایک پتھر پھینکتے گئے، یہاں تک کہ ساتواں پتھر باقی رہ گیا - جب آفتاب ڈھل گیا تو ساتواں پتھر پھینکا اور کہا: "حٰم لا ینصرون -" پھر فوراً اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور دشمن پر حملہ کر دیا، ہم نے بھی حملہ کر دیا - دشمن کی فوج نے اپنے کندھے ہم کو دے دیے،

یعنی ہمارے آگے بھاگ کھڑی ہوئی اور ہم چار فرسخ تک اس کو قتل کرتے گئے۔ اس طرح دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے ہم ایک قلعہ بند فوج کے پاس پہنچ گئے۔ اُنھوں نے ہم سے کہا، خدا کی قسم تم وہ لوگ نہیں ہو، جنھوں نے ہمارے ساتھیوں کو قتل کیا ہے، ہمیں قتل کرنے والوں میں سے تو ایک آدمی بھی تم میں نظر نہیں آتا۔ وہ تو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ دشمن کی زبان سے یہ الفاظ سن کر، ہم نے آپس میں کہا، یہ اللہ کی مدد ہے۔ ہم نے واپس آکر سنان سے پوچھا: آپ نے فوج کو روک لیا اور آفتاب ڈھلا تو دشمن پر حملہ کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب دیا: رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہی تھا۔

امام بخاری نے تاریخ الکبیر میں لکھا ہے کہ معلی بن راشد نے، جنھیں ابوالیمان الغبال القواس بھی کہا جاتا ہے، اپنی دادی سے سماعِ حدیث کی اور دادی نے نبیشہ سے روایت کی۔ معلی کا شمار اہلِ بصرہ میں ہوتا ہے اور ان سے تمیم بن حماد نے روایت کی۔

طبقات ابن سعد میں بھی معلی بن راشد کا ذکر آیا ہے اور ان کی دادی کا نام اُم عاصم بیان کیا گیا ہے، جنھوں نے بنو ہذیل کے ایک شخص نبیشۃ الخیر سے روایتِ حدیث کی۔

حافظ ابنِ حجر تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ معلی نے اپنی دادی ام عاصم کے علاوہ میمون بن سیاہ، حسن بصری اور زیاد بن میمون ثقفی سے روایت کی۔ خود معلی نے بھی مسندِ حدیث آراستہ کی۔ ان سے یزید بن ہارون، عبداللہ بن صالح عجلی، روح بن عبدالمؤمن، ابوبشر بن بکر بن خلف اور نصر بن علی جہضمی وغیرہ محدثین نے سماعِ حدیث کا شرف حاصل کیا۔

سمعانی کی روایت کے مطابق معلی سے حصولِ علمِ حدیث کرنے والوں کی

فہرست میں نعیم بن حماد، مسلم بن ابراہیم، معلی بن اسد، حفص بن عمر جعدی، عبداللہ قواریری، ابراہیم بن موسیٰ اور احمد بن عبیداللہ بن صخر الغدانی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

ابن حبان نے معلی کو ثقہ راویانِ حدیث میں گردانا ہے اور امام نسائیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔ لیس بہ بأس۔

کھانے کا برتن صاف کرنے والی حدیث معلی بن راشد سے مروی ہے جسے یہ اپنی دادی ام عاصم سے روایت کرتے ہیں اور ام عاصم قبیلہ بنو ہذیل کے ایک شخص نبیشۃ الخیر سے روایت کرتی ہیں۔ حدیث کے الفاظ مع سند یہ ہیں۔

اخبرنا عفان بن مسلم قال حدثنی المعلی ابن راشد الهذلی قال حدثنی جدتی ام عاصم عن رجل من هذیل یقال له نبیشة الخیر، قالت دخل علینا نبیشة ونحن ناکل فی قصعة فقال لنا حدثنا النبی صلی الله علیه وسلم انه من اکل فی قصعة ثم لحسها استغفرت له۔

راوی کہتا ہے ہم سے عفان بن مسلم نے روایت بیان کی، وہ کہتے ہیں مجھ سے معلی بن راشد ہذلی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں مجھ سے میری دادی ام عاصم نے بنو ہذیل کے ایک شخص کی زبانی جسے نبیشۃ الخیر کہا جاتا ہے، حدیث بیان کی۔ وہ کہتی ہیں، ہمارے پاس نبیشہ آیا، ہم اس وقت پیالے میں کچھ کھا رہے تھے۔ نبیشہ نے ہم سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص پیالے میں کھائے، پھر اُسے اچھی طرح صاف کر دے، پیالہ اس کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہے۔[۳]

---

[۳] التاریخ الکبیر ۔۔۔ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۳۷ ۔۔۔ رجال السند والہند ص ۵۱۸ ۔

۴- جنید بن عمرو العدوانی المکیؒ

جنید بن عمرو العدوانی المکیؒ اہلِ مکہ کے ممتاز و مشہور قاری تھے۔ علمِ حدیث میں بھی ان کا مرتبہ بڑا اونچا تھا، ثقہ اور کثیر الحدیث راوی تھے۔ آلِ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے، انھوں نے حمید بن قیس سے روایت کی اور خود ان سے محمد بن عبداللہ بن قاسم نے درسِ حدیث لیا۔

قرأت مجاہد سے سیکھی۔ منقول ہے کہ مکہ مکرمہ میں جنید بن عمرو اور عبداللہ بن کثیر سے بڑھ کر کوئی قاری نہ تھا۔

جنید بن عمرو وہ تبع تابعی تھے، جو فتح سندھ کے موقع پر محمد بن قاسم کے ساتھ واردِ برصغیر ہوئے۔ محمد بن قاسم ساوندری کے مقام پر پہنچے تھے تو ہراور میں قیام کیا تھا۔ ہراور سے انھوں نے جنید بن عمرو کو فوج کے ایک دستے کا کمان دار بنا کر مخالفینِ اسلام کے خلاف جہاد کے لیے بھروچ روانہ کیا تھا۔[۴]

۵- محمد بن زید عبدیؒ

محمد بن زید (ایک روایت کے مطابق زیاد) عبدی فتح سندھ کے زمانے میں محمد بن قاسم کے امراو معاونین میں سے تھے۔ انھوں نے ابو شریح، سعد بن جبیر، ابراہیم نخعی اور ابو الاعین سے روایتِ حدیث کی۔ پھر خود ان سے علی بن ثابت انصاری، معمر بن راشد، داؤد بن ابو الفرات اور اعمش نے روایت کی۔

محمد بن قاسم نے سندھ پر حملے کے وقت محمد بن زید عبدی کو ایک ہزار گھڑ سوار

۴؎ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۸۶ — لسان المیزان ج ا ص ۱۴۱ — معارف ابن قتیبہ ص ۲۳۱ — الجرح والتعدیل ج ا ص ۱۲۸ — رجال السند والہند ص ۳۷۲۔

فوج کا کمانڈر مقرر کیا تھا۔
بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ محمد بن زید نہیں، بلکہ محمد بن زیاد ہیں۔[۵]

۶۔ محمد بن غزان کلبیؒ

محمد بن غزان عرب کے قبیلے بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ ممتاز محدث امام اوزاعی سے روایتِ حدیث کی۔ ابو زرعہ انھیں منکر الحدیث قرار دیتے ہیں۔ ابنِ حبان کا کہنا ہے کہ یہ سندِ روایت بدل دیتے اور موقوف روایت کو موضوع بنا دیتے تھے، اس لیے لائقِ اعتماد نہ تھے۔ عمر بن محمد عن سالم عن ابیہ کی سند سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

من صلّٰی ست رکعات بعد المغرب غفر لہ بھا ذنوب خمسین سنۃ

یعنی (آنحضرت نے فرمایا) جس نے نمازِ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھیں، اس کے پچاس سال کے گناہ بارگاہِ الٰہی سے معاف کر دیے جاتے ہیں۔
پھر عن الاوزاعی عن یحییٰ عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ کی سند سے دریا کے پانی کے بارے میں مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

ھو الطھور ماؤہ والحل میتتہ۔

یعنی دریا کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے۔
ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ محمد بن غزان نے دریا کے پانی کے بارے میں اوزاعی سے جو حدیث روایت کی ہے وہ منکر ہے۔
علامہ طبری نے تاریخ طبری میں ۱۲۶ ہجری کے واقعات میں محمد بن غزان کا ذکر کیا ہے کہ جب محمد بن قاسم کا لڑکا عمر بن محمد سندھ کا والی تھا، اس زمانے میں

---

[۵] کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۲۵۶ ۔ لسان المیزان ج ۶ ص ۶۹۔ رجال السند والہند ص ۴۹۱۔

محمد بن غزان بھی یہیں تھے، ان پر بہت بڑی رقم کا الزام عاید کیا گیا تھا جو یہ قسط وار ادا کرتے تھے، اگر کوئی قسط نہ دے پاتے تو پندرہ کوڑے لگائے جاتے تھے، جس سے ان کی ہاتھ کی انگلیاں سخت متاثر ہو گئی تھیں۔

اس کے بعد ایک وقت آیا کہ خود محمد بن غزان کو سندھ کا والی مقرر کر دیا گیا۔ انھوں نے عمر بن محمد کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا تھا۔ یہ ایک لمبا قصہ ہے، جس کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں ہے[۶]

۷۔ ابو عُیَیْنَہ ازدی رحمہ اللہ

ابو عُیَیْنَہ بن محمد بن ابو عیینہ بن مہلّب بن ابو صفرہ ازدی۔ ابو عیینہ نے اعمش سے حدیث روایت کی ہے۔ ان کے بیٹے کا نام محمد بن ابو عیینہ تھا جنھوں نے اپنے باپ (ابو عیینہ) سے علم حدیث پڑھا۔ محمد بہت اچھے شاعر بھی تھے۔

اولادِ مُہلّب میں سے تیرہ آدمی تھے جو سندھ میں قیام پذیر تھے، ان میں ایک ابو عیینہ تھے جو تبع تابعی تھے۔ ان تیرہ آدمیوں کو قندابیل سے پکڑا گیا اور قیدی کی حیثیت سے اموی خلیفہ یزید بن عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا۔ پھر اس کے حکم سے ان کو قتل کر دیا گیا تھا۔

مہلب کی بیٹی ہند نے یزید بن عبدالملک سے اپنے بھائی ابو عیینہ کے لیے جان بخشی کی درخواست کی تھی جو منظور کر لی گئی تھی اور ابو عیینہ کو قتل نہیں کیا گیا تھا[۷]

---

[۶] تاریخ طبری ج ۷ ص ۲۷۲ — لسان المیزان ج ۵ ص ۳۳۸ — رجال السند والہند ص ۴۹۹، ۵۰۰

[۷] لسان المیزان ج ۵ ص ۷۷، ۲۷۲ — رجال السند والہند ص ۵۵۷

۸۔ سندی بن شماس السمان بصری رح

سندی بن شماس السمان بصری کا ذکر امام بخاری نے اپنی کتاب التاریخ الکبیر میں کیا ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں، سندی بن شماس، بصرے کے رہنے والے تھے، جنھوں نے عطا بن رباح اور محمد بن سیرین سے حدیث روایت کی، اور خود سندی سے موسیٰ بن اسماعیل اور حوشرہ بن الاشرس نے روایت کی۔ سندی بن شماس السمان وہ تبع تابعی تھے، جن کا تعلق سندھ سے تھا اور پھر بصرے چلے گئے تھے۔[۵۸]

شاید لوگ ان کا اصلی نام بھول گئے ہوں گے اور باپ کا نام ذہنوں میں محفوظ رہ گیا ہوگا، اس لیے اسمی اعتبار سے اپنے حلقۂ تعارف میں یہ سندھی مشہور ہو گئے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص دوسرے ملک میں چلا جائے تو اپنے پہلے اور آبائی وطن کی نسبت سے شہرت حاصل کر لیتا ہے، مثلاً ترک ہے تو ترکی، عرب سے تعلق رکھتا ہے تو عرب، ہندوستان کا رہنے والا ہے تو ہندی، آبائی علاقہ تبت ہے تو تبتی، کشمیر ہے تو کشمیری وغیرہ کی وطنی نسبت ہی اس کا اصل نام قرار پا جاتی ہے۔

۹۔ عبدالرحیم دیبلی سندھی رح

عبدالرحیم بن حماد ثقفی دیبلی سندھی بصری۔ عبدالرحیم دراصل عرب کے قبیلۂ بنو ثقیف سے تعلق رکھتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے ان کے آبا و اجداد میں سے بنو ثقیف کے کوئی بزرگ حملۂ سندھ کے زمانے میں فوجی کی حیثیت سے محمد بن قاسم کے ساتھ واردِ سندھ ہوئے اور دیبل شہر فتح ہوا تو وہیں سکونت

---

۵۸ التاریخ الکبیر ج ۲ ص ۱۱۷ — کتاب الجرح والتعدیل ج ۲ ص ۲۱۸۔
العقد الثمین ص ۲۲۲۔

پذیر ہو گئے ۔ دیبل ہی میں عبدالرحیم کی ولادت ہوئی ۔ بنو ثقیف کے فرد ہونے کی وجہ سے انھیں ثقفی ، اور دیبل اور سندھ سے تعلق کی بنا پر دیبلی سندھی کہا جانے لگا ۔

تحصیل علم سندھ کے اہل علم اور اصحاب الحدیث سے کی ، اور بہت بڑے محدث کی حیثیت سے شہرت پائی ۔ جب دل میں مزید حصولِ علم کے جذبے نے کروٹ لی تو عازم بصرہ ہوئے اور پھر وہیں اقامت اختیار کر لی ، لہذا بصری کہلائے

حافظ ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں :۔

قال العقیلی قال جدّی قدم علینا من السند شیخ کبیر کان یحدث عن الاعمش ۔

یعنی عقیلی کہتے ہیں ، میرے دادا نے بیان کیا کہ ہمارے ہاں (بصرے میں) سندھ سے ایک بہت بڑے شیخ آئے جو اعمش سے روایتِ حدیث کرتے تھے ۔

ان الفاظ سے پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں علم حدیث کی تعلیم کے سلسلے میں سندھ کا علاقہ پُر ثروت اور زرخیز علاقہ تھا ، جہاں سے حصولِ علم کے بعد عبدالرحیم بصرے گئے اور وہاں کی مجالسِ محدثین میں " شیخ کبیر " کہلائے ۔

عبدالرحیم نے اعمش اور عمرو بن عبید وغیرہ حضرات سے روایت کی اور خود ان سے اہلِ عراق نے سماعتِ حدیث کا شرف حاصل کیا ۔

ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے ۔ بیہقی نے ان کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ عقیلی کا کہنا ہے کہ یہ اعمش سے مناکیر روایت کرتے ہیں ۔

بہر حال عبدالرحیم دیبلی علاقہ سندھ کے ائمہ حدیث میں سے تھے اور تبع تابعی تھے ۔[۹]

---

۹ لسان المیزان ج ۴ ص ۴۰۱ ۔ تاریخ بغداد ج ۸ ص ۸۱۵ ۔ العقد الثمین ص ۲۲۱

۱۰۔ عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی رح

دورِ قدیم کے عالی مرتبت محدثین کی جماعت میں امام اوزاعی کا مقام بڑا بلند ہے۔ علم حدیث میں جو مہارت و کمال انھیں حاصل ہے، تذکرہ و رجال کی کتابوں میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن یُحمِدْ دمشقی ہیں جو حافظ الحدیث تھے۔

امام اوزاعی ۸۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ایک روایت کے مطابق ان کا مقامِ ولادت بعلبک ہے۔ بچپن ہی میں باپ وفات پا گئے تھے، حالتِ یتیمی میں ماں کی گود میں پرورش پائی اور فقر و فاقے کی حالت میں شعور کی منزل کو پہنچے۔

عطا بن رباح، زہری، ربیعہ بن زید، قاسم بن مخیمرہ، محمد بن ابراہیم تیمی، شداد بن ابی عمار، یحییٰ بن ابی کثیر اور بہت سے محدثین سے روایتِ حدیث کی سعادت حاصل کی۔ محمد بن سیرین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بسترِ مرض پر دراز تھے۔ ایک روایت کے مطابق ان سے سماعِ حدیث کیا۔

حصولِ علم حدیث کے بعد خود امام اوزاعی مسندِ درس پر متمکن ہوئے۔ ان سے بہت سے نامور ائمہ حدیث نے استفادہ کیا اور فنِ حدیث میں مرتبۂ بلند پر فائز ہوئے۔ ان خوش بخت حضرات میں عبداللہ بن مبارک، شعبہ بن سعید القطان، ولید بن مسلم، ہقل بن زیاد، یحییٰ بن حمزہ، ابوعاصم، ابوالمغیرہ، یحییٰ بن سعید القطان، محمد بن یوسف فریابی اور خلقِ کثیر شامل ہے۔

امام اوزاعی عمر کے آخری دور میں بیروت تشریف لے گئے تھے، پھر وہیں فوت ہوئے۔ انھیں "امام الہند والشام" کہا جاتا ہے۔

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ کان من سبی السند۔

یعنی اوزاعی کا شمار اسیرانِ سندھ میں ہوتا ہے۔

ان کے واقعات و حالات تاریخ و رجال کی تمام کتابوں میں تفصیل سے مرقوم

ہیں۔ ابوزرعہ دمشقی کہتے ہیں، امام اوزاعی کی آمدنی کا ذریعہ کتابت و ترسّل تھا اور اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

ان کی صالحیت اور تدیّن و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ملوک و سلاطین حصولِ علم و ادب کے لیے اپنے بچوں کو ان کی خدمت میں بھیجتے تھے۔ گفتگو میں نہایت محتاط تھے، ضرورت سے زیادہ بات زبان سے نہ نکالتے تھے۔ بہت بڑے عالم حدیث، مجتہد اور فقیہ تھے۔ ان کے بعض ہم عصر علما نے ان کو اپنے دور کے "عالم الامت" قرار دیا ہے۔

ہُقل کہتے ہیں اوزاعی اپنے عصر کے بالعموم اور شام کے بالخصوص امامِ حدیث و سنت تھے۔

ابو اسحاق خزاری کہتے ہیں امام اوزاعی فرمایا کرتے تھے، صحابہ و تابعین پانچ چیزوں کے پابند تھے اور وہ یہ ہیں، التزامِ جماعت، اتباعِ سنت، آبادیِ مساجد، تلاوتِ قرآن اور جہاد فی سبیل اللہ۔

امام اوزاعی کے حالات بے حد سبق آموز ہیں، جن کی حدود بڑی وسیع ہیں۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اس عظیم محدث و فقیہ کا تعلق برصغیر کے علاقے سندھ سے تھا۔[۱]

سوال یہ ہے کہ انھیں "اوزاعی" کیوں کہا جاتا تھا۔؟ منقول ہے کہ جب یہ علاقہ سندھ سے ملکِ شام میں گئے تو دمشق کے قریب ایک گاؤں میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، جس کا نام "اوزاع" تھا، اس بنا پر انھیں اوزاعی کہا جانے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام عبدالعزیز تھا، بعد میں عبدالرحمٰن خود ہی اپنا نام رکھا اور اسی نام سے شہرت پائی۔

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸ تا ۲۴۲ — وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۱۰، ۳۱۱ — تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۷۲ —

اس عظیم المرتبت محدث وفقیہہ نے باختلافِ روایات ۲۔صفر ۱۵۷ھ یا ۱۵۸ ہجری کو کم وبیش بہتر سال کی عمر میں وفات پائی۔موت اس طرح واقع ہوئی کہ بیروت کی ایک سرائے میں مقیم تھے کہ اس کے حمام میں گئے، پاؤں پھسلا اور گر گئے۔ پھر بے ہوش ہوگئے اور اسی حالت میں روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

۱۱۔عبد الرّحمٰن بن السندی رح

عبدالرحمٰن بن السندی کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہوسکے کہ یہ سندھ کے وہ تبع تابعی ہیں، جنھوں نے عراک بن خالد بن یزید بن صالح بن صبیح المری ابوالضحاک دمشقی سے تحصیلِ علم حدیث کی۔حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں عراک بن خالد بن یزید کے ذیل میں ان کا ذکر کیا ہے۔[۱]

معلوم ہوتا ہے، یہ سندھ سے حصولِ علم کے لیے دمشق گئے تو لوگوں کو ان کے نام کا تو پتا چل گیا کہ عبدالرحمٰن ہے، مگر عرب چونکہ باپ کا نام بھی بولتے اور لکھتے ہیں، اس لیے ان کو جب ان کے باپ کے اصلی نام کا علم نہ ہوسکا تو سندھی ہونے کی بنا پر انھیں عبدالرحمٰن بن السندی کہا جانے لگا اور لوگوں کی زبانوں پر ان کی نسبتِ ابوّت سندی قرار پاگئی۔

۱۲۔عمرو بن عُبَید بن باب السندی رح

عمرو بن عبید کی کنیت ابوعثمان تھی اور معتزلی تھے۔قبیلہ بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔حضرت حسن بصری سے بہت سی احادیث روایت کرتے ہیں۔ لیکن حدیث کے سلسلے میں کوئی حیثیت نہ رکھتے تھے۔محدثین کے نقطۂ نظر سے لیس بشیءٍ فی الحدیث۔

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۱۷۱

عمرو بن عبید سندھی کے دادا (باب) دراصل کابل کے رہنے والے تھے، وہاں سے سندھ آئے اور باب السندی کے نام سے مشہور ہوئے۔ بعد ازاں یہ خاندان بصرے میں جاکر آباد ہوگیا تھا۔

عمرو بن عبید سندھی نے ۱۴۰ھ یا ۱۴۲ھ کو مکے اور بصرے کے راستے میں دوران سفر وفات پائی۔ نمازِ جنازہ سلیمان بن علی نے پڑھائی اور مران میں دفن کیے گئے۔[۱۲]

۱۳۔ فتح بن عبداللہ سندھی

فتح بن عبداللہ کی کنیت ابو نصر ہے۔ یہ محدث اور فقیہہ و متکلم سندھی تھے۔ پہلے آلِ حسن بن الحکم کے غلام تھے، پھر آزاد کر دیے گئے تھے۔ روایتِ حدیث حسن بن سفیان اور بعض دیگر اصحابِ حدیث سے کی اور فقہ و کلام کا علم ابو علی محمد بن عبدالوہاب ثقفی سے حاصل کیا۔ سمعانی نے اپنی کتاب "الانساب" میں ابو العلا احمد بن محمد بن فضل کے سلسلۂ روایت کے ذریعے عبداللہ بن حسین سے ایک عجیب و غریب روایت بیان کی ہے۔ اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ ابو نصر فتح بن عبداللہ سندھی کس درجے حق گو، صاف بیان اور عالم و فاضل بزرگ تھے۔ اس روایت کے الفاظ جو سمعانی نے نقل کیے ہیں، مندرجہ ذیل ہیں۔

حدثنی عبداللہ بن الحسین قال کنا یوماً مع ابی نصر السندی و فینا کثرۃ حوالیہ و نحن نمشی فی الطین، فاستقبلنا شریف سکران، قد وقع فی الطین، فلما نظر الینا، شتمہ ابو نصر، وقال نافق یا عبد، انا کما ترای، وانت تمشی وخلفک ھؤلاء۔ فقال لہ ابو نصر ایھا الشریف تدری لم ھذا ۔۔؟ لانی متبع آثار جدک وانت متبع آثار جدی۔

---

[۱۲] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۷۳ ۔۔ مروج الذہب ج ۳ ص ۳۱۴ ۔۔ المعارف ابن قتیبہ ص ۱۱۲ ۔۔ العقد الثمین ص ۲۲۴۔

یعنی عبداللہ بن حسین کہتے ہیں کہ ایک دن ہم ابونصر سندھی کے ساتھ دھول اور کیچڑ سے اٹی ہوئی زمین میں جا رہے تھے اور ان کے بہت سے مداحین و متاثرین ساتھ تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ایک شہزادہ مدہوشی کی حالت میں زمین پر خاک اور کیچڑ میں لت پت پڑا ہے۔ اس نے ہماری طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو ابونصر نے مُنہ قریب کر کے اس کو سونگھا۔ اس کے منہ سے شراب کی بُو آ رہی تھی۔ شہزادے نے ابونصر سے کہا:

او غلام ـ! میں جس حالت میں پڑا ہوں، تم دیکھ رہے ہو، لیکن تم ہو کہ اطمینان سے چلے جا رہے ہو اور اتنے لوگ تمھارے پیچھے جا رہے ہیں۔ ابونصر نے بے باکی سے جواب دیا! شہزادے ـ! تمھیں معلوم ہے، اس فرقِ مراتب کی کیا وجہ ہے ـ؟ وجہ یہ ہے کہ میں نے تمھارے آبا و اجداد کی پیروی شروع کر دی ہے اور تم میرے آبا و اجداد کے نقشِ قدم پر چل پڑے ہو ـ

ابونصر فتح بن عبداللہ سندھی، دوسری صدی ہجری کے دیارِ سندھ و ہند کے ان عالی قدر حضرات میں سے تھے، جنھوں نے تابعین کرام کا زمانہ پایا، ان سے روایتِ حدیث و فقہ کی اور تبع تابعین کی خوش بخت جماعت میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا ۔[۱۳]

۱۴ـ قیس بن لبسر بن سندی البصری

ان کا مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے: قیس بن لبسر بن سندی بن عبداللہ بن سعید بن عبدالواحد بن عبداللہ نصری ـ! عبداللہ نصری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے ـ

قیس بن لبسر اصلاً علاقۂ سندھ کے رہنے والے تھے اور تبع تابعین کی برگزیدہ جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ افسوس ہے ان کے حالات معلوم نہیں ہو سکے ۔[۱۴]

---

[۱۳] الانساب ورق ۳۱۳ ـ

[۱۴] العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین ص ۲۲۲

۱۵- ابو معشر نُجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی

نُجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی مشہور محدث اور معروف تبع تابعی تھے۔ ان کی کنیت ابو معشر تھی۔ جن تابعین کرام سے ابو معشر نے حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سماعت کی، ان کا ذکر حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اور سمعانی نے الانساب میں کیا ہے۔

اُنھوں نے ابوامامہ بن سہل بن حنیف کو دیکھا اور سعید بن مسیّب، محمد بن کعب قرظی، ہشام بن موسیٰ بن یسار، ابوبردہ بن ابوموسیٰ، سعید بن ابوسعید المقبری، محمد بن المنکدر، نافع، محمد بن قیس اور اصحاب حدیث کی کثیر جماعت سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ حصولِ علم حدیث کے بعد خود ابو معشر نے مسندِ درس حدیث بچھائی اور ان سے ان کے بیٹے محمد، سفیان ثوری، لیث بن سعد، عبداللہ بن ادریس، وکیع، ابنِ مہدی، ہشیم، محمد بن بکار، سعید بن منصور اور محدثینِ عراق کی ایک بڑی جماعت نے روایت کی۔

بعض تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ درحقیقت ابو معشر قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے پوتے داؤد اپنے والد محمد سے روایت کرتے ہیں کہ ابو معشر اصلاً یمن کے رہنے والے تھے اور اس وقت قید کیے گئے تھے، جب یزید بن مہلّب نے یمامہ اور بحرین پر حملہ کیا تھا۔

امام احمد بن حنبل ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔

کان بصیراً بالمغازی۔

یعنی ابو معشر مغازی کے ماہر تھے۔

سمعانی کے نزدیک یہ ام سلمہ کے مولیٰ تھے جو اہلِ مدینہ سے تھیں، اسی بنا پر یہ مدنی کہلائے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ بنو ہاشم کے مولیٰ تھے۔

امام نسائی نے سننِ نسائیؒ میں ان کی سند سے روایات درج کی ہیں اور یہ بھی

کہا ہے کہ لیس بالقوی۔ (قوی الحافظہ راوی نہیں ہیں)
دارقطنی نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ خلیلی کا قول ہے کہ مختلف علوم، تاریخ اور مغازی میں تو ائمہ ان سے استدلال کرتے ہیں، لیکن حدیث میں ضعیف قرار دیتے ہیں۔

ابوزرعہ کہتے ہیں۔

صدوق فی الحدیث ولیس بالقوی۔

کہ یہ قوی حافظہ تو نہیں ہیں، لیکن روایت حدیث میں انتہائی سچ بولنے والے ہیں۔

عمرو بن عوف نے ہشیم کا قول نقل کیا ہے۔

مارأیت مدنیاً یشبہہ ولا اکیس منہ۔

میں نے کسی مدنی کو ابومعشر سے بڑھ کر صاحب عقل و بصیرت نہیں دیکھا۔
عمر کے آخری دور میں حافظہ مختل ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود حدیث و فقہ کی یادداشت بڑی تیز تھی اور علوم میں مہارت رکھتے تھے۔

کان من اوعیۃ العلم علیٰ نقص فی حفظہ

کہ حفظ میں نقص کے باوصف علم میں ماہر تھے۔

محدثانہ نقطۂ نظر سے مختلف ماہرین رجال نے ابومعشر کے بارے میں مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔

ان کی زبان میں ہکلاہٹ تھی اور کعب کو قعب کہتے تھے۔

اس سندھی محدث اور تبع تابعی کا رنگ سُرخ، آنکھیں نیل گوں اور جسم بھاری بھرکم تھا۔

عباسی خلیفہ مہدی ۱۶۰ھ میں ان کو اپنے ساتھ عراق لے گیا تھا اور ایک ہزار دینار عطا کیے تھے۔ وہ ان سے بہت تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ان سے لوگوں کو تعلیم دینے کی درخواست کی تھی۔

ابومعشر رمضان ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے۔ اسی سال ہارون الرشید تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ ابومعشر کے مرتبۂ علم اور عباسی خلفا کے نزدیک ان کی تکریم و احترام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کا جنازہ پڑھایا اور ان کی موت پر حزن و ملال کا اظہار کیا۔ بغداد کے مقبرۃ الکبیرہ میں دفن کیے گئے۔[۱۵]

۱۶۔ محمد بن ابراہیم بیلمانی رح

محمد بن ابراہیم کا تعلق بھی برصغیر سے تھا اور یہ بیلمان کے رہنے والے تھے۔ ان سے عبیداللہ بن ربیع نجرانی نے روایت حدیث کی۔ ان کے حالات نہیں مل سکے۔[۱۶]

۱۷۔ محمد بن حارث بیلمانی رح

محمد بن حارث دراصل بھیلمان کے رہنے والے تھے۔ اُنھوں نے اپنے والد حارث بیلمانی سے روایتِ حدیث کی اور پھر ان سے محمد بن حارث حارثی نے روایت کی۔

حافظ ابنِ حجر نے لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ محمد بن حارث حارثی نے محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی سے روایت کی۔

محمد بن حارث بیلمانی وہ تبع تابعی تھے جو سندھ اور ہند سے تعلق رکھتے تھے۔[۱۷]

---

[۱۵] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۹ تا ۴۲۲ ۔ الانساب بذیل لفظ سندی ورق ۳۱۲۔ تذکرہ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۴ ۔ معجم البلدان ج ۳ ص ۲۶

[۱۶] العقد الثمین ص ۱۱۹ ۔

[۱۷] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۰۴ و ص ۲۹۳، ۲۹۴

۱۸ - یزید بن عبداللہ قرشی سندھی رح

یزید بن عبداللہ قرشی بیسری سندھی کا شمار تبع تابعین کی جلیل القدر جماعت میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابو خالد ہے، اس لیے ان کو ابو خالد بیسری بھی کہا جاتا ہے۔ مروج الذہب میں مسعودی نے لکھا ہے کہ لفظ "بیسر" کی جمع "بیاسر" ہے۔ دورِ اوّل میں جو مسلمان ہندوستان میں پیدا ہوئے، انھیں "بیاسرہ" کہا جاتا تھا، اس کا واحد "بیسر" ہے اور اس کی نسبت بیسری ہے۔ یزید بن عبداللہ قرشی کی ولادت چوں کہ علاقہ سندھ میں ہوئی، اس لیے یہ سندھی بھی کہلائے اور بیسری بھی!

یزید بن عبداللہ نے سفیان ثوری، ابن جریج اور عمر بن محمد عمری سے احادیثِ رسول روایت کیں۔ پھر خود یزید بن عبداللہ سے علی بن ابو ہاشم طبراخ، محمد بن ابوبکر مقدمی، ابوداؤد طیالسی اور محدثین کی ایک جماعت نے سماعِ حدیث کی۔

ایک حدیث کی سند میں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مندرجہ ذیل الفاظ فرمائے، یزید بن عبداللہ بیسری راوی ہیں۔

عن علی قال، قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حیّ ولا میّت۔

یعنی حضرت علی رضی اللہ کہتے ہیں، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اپنی ران ظاہر نہ کرو اور نہ کسی زندہ اور مردہ شخص کی ران کی طرف دیکھو۔

مشہور صحابی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے، اس کی سند میں یزید بن عبداللہ قرشی سندھی ایک راوی ہیں۔

عن ابی جحیفۃ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسوا العلماء وسائلوا الکبراء وخالطوا الحکماء۔

یعنی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: علما کی مجلس میں بیٹھا کرو، بڑوں سے سوال پوچھا کرو اور دانشمندوں

سے ملا جلا کرو۔

ابنِ حبان نے یزید بن عبداللہ سندھی کا ذکر ثقات میں کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اصلاً سندھی تھے۔ ذکرہ ابن حبان فی الثقات فقال اصلہ من السند۔ یزید بن عبداللہ سے روایتِ حدیث کرنے والوں میں ایک راوی محمد بن ابو بکر مقدمی ہیں جنھیں اصحابِ رجال نے "مستقیم الحدیث" قرار دیا ہے۔ ۸۱ھ

۸۱ھ لسان المیزان ج ۶ ص ۲۹۰ — کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۲۷۱ — مروج الذہب ج ۳ ص ۳۱۴ —

مآخذ ومصادر

اس کتاب کی تصنیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا۔

۱۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم — ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر مقدسی طبع لیڈن

۲۔ الادب المفرد — امام محمد بن اسماعیل بخاری

۳۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب — ابو عمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر اندلسی طبع مصر

۴۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ — ابوالحسن عزالدین علی ابن اثیر جزری

۵۔ اسلام کا نظام اراضی — مولانا مفتی محمد شفیع طبع کراچی

۶۔ اسلامی عہد کی عظمتِ رفتہ — قاضی اطہر مبارکپوری " دہلی

۷۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ — حافظ ابن حجر عسقلانی " مصر

۸۔ البدایہ والنہایہ — ابوالفدا اسماعیل ابن کثیر دمشقی " مصر

۹۔ البیان والتبیین — ابوعثمان عمرو بن بحر جاحظ " مصر

۱۰۔ الامامۃ والسیاستہ — ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری طبع مصر

۱۱۔ کتاب الاموال — ابوعبید قاسم بن سلام۔ طبع حیدرآباد (دکن)

۱۲۔ کتاب الانساب — ابوسعد عبدالکریم سمعانی

۱۳۔ تاج العروس من جواہر القاموس — سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی۔ طبع کویت

۱۴۔ تاریخ بغداد — ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی۔ " مصر

کتاب	مصنف / مطبع
۱۵ - تاریخ ابن خلدون	عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدون طبع مصر
۱۶ - تاریخ سندھ	سید ابوظفر ندوی۔ دارالمصنفین، اعظم گڑھ
۱۷ - تاریخ الکامل	ابن اثیر
۱۸ - تاریخ الملوک والامم	ابوجعفر محمد ابن جریر طبری طبع مصر
۱۹ - تاریخ معصومی	میر محمد معصوم بلگرامی - سندھی ادبی بورڈ، کراچی
۲۰ - التاریخ الکبیر	امام محمد بن اسماعیل بخاری۔ حیدر آباد (دکن)
۲۱ - تاریخ یعقوبی	احمد بن یعقوب طبع بیروت
۲۲ - تجرید اسماء الصحابہ	حافظ ذہبی حیدر آباد (دکن)
۲۳ - تحفۃ الکرام	میر علی شیر قانع - سندھی ادبی بورڈ، کراچی
۲۴ - تذکرۃ الحفاظ	حافظ ذہبی حیدر آباد (دکن)
۲۵ - تقریب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی - طبع مصر
۲۶ - تقویم البلدان	عماد الدین اسماعیل طبع پیرس
۲۷ - تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر عسقلانی " مصر
۲۸ - جامع ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی " کراچی
۲۹ - کتاب الجرح والتعدیل	ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابوحاتم رازی - حیدر آباد (دکن)
۳۰ - جمہرۃ انساب العرب	ابن حزم اندلسی طبع مصر
۳۱ - چچ نامہ	علی بن حامد بن ابوبکر - سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد (سندھ)
۳۲ - کتاب الخراج	قاضی ابویوسف طبع مصر

۳۳۔ کتاب الخراج — یحییٰ ابن آدم قرشی — طبع مصر

۳۴۔ خلافت امویہ اور ہندوستان — قاضی اطہر مبارک پوری سکھر (سندھ)

۳۵۔ رجال السند والہند — قاضی اطہر مبارک پوری۔ طبع مصر

۳۶۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان — سید غلام علی آزاد بلگرامی — " بمبئی

۳۷۔ سنن ابی داؤد — سلیمان بن اشعث ابوداؤد سجستانی۔ کراچی

۳۸۔ سنن نسائی — ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی۔ لاہور

۳۹۔ سیرت ابن ہشام — ابومحمد عبدالملک بن ہشام۔ طبع مصر

۴۰۔ صفۃ الصفوہ — ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی۔ حیدرآباد (دکن)

۴۱۔ طبقات الامم — ابوالقاسم صاعد بن احمد اندلسی۔ مصر

۴۲۔ طبقات خلیفہ بن خیاط — خلیفہ بن خیاط البصری — طبع دمشق

۴۳۔ اَلعِبَرُ فی خَبَرِ مَنْ غَبَرَ — حافظ ذہبی — " کویت

۴۴۔ عجائب الہند — بزرگ بن شہریار — " بریل

۴۵۔ عرب و ہند عہدِ رسالت میں — قاضی اطہر مبارک پوری — " دہلی

۴۶۔ عربوں کی جہاز رانی — سید سلیمان ندوی۔ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ

۴۷۔ العقد الثمین فی فتوح الہند [ومن ورد فیہا من الصحابۃ والتابعین] — قاضی اطہر مبارک پوری۔ طبع مصر

۴۸۔ فقہائے ہند (جلد اول) — محمد اسحاق بھٹی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور

۴۹۔ فتوح البلدان — ابوالحسن احمد بن یحییٰ بلاذری — مصر

۵۰۔ الکامل فی التاریخ — عزالدین بن علی ابن اثیر جزری۔ مصر

۵۱۔ لسان العرب — محمد بن مکرم بن منظور افریقی۔ مصر

کتاب	مصنف / مطبع
۵۱۔ لسان المیزان	حافظ ابن حجر عسقلانی۔ حیدر آباد (دکن)
۵۳۔ مجمع بحار الانوار	محمد طاہر پٹنی
۵۴۔ کتاب المحبّر	ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی۔ حیدر آباد (دکن)
۵۵۔ مروج الذہب	علی بن حسین مسعودی طبع مصر
۵۶۔ میزان الاعتدال	حافظ ذہبی، حیدر آباد (دکن)
۵۷۔ المسالک والممالک	محمد بن عبدالکریم شہرستانی۔ مصر
۵۸۔ معجم البلدان	یاقوت حموی
۵۹۔ مقالات سید سلیمان ندوی	مرتب صباح الدین عبدالرحمٰن۔ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ
۶۰۔ نزہۃ الخواطر (جلد اوّل)	سید عبدالحی حسنی لکھنوی۔ حیدر آباد (دکن)
۶۱۔ وفیات الاعیان	ابن خلکان۔ طبع قاہرہ
۶۲۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں	قاضی اطہر مبارک پوری۔ دہلی
۶۳۔ کتاب الہند	ابوریحان بیرونی۔